سیرت پاک

شیخ الشیوخ، عاشقِ رسول کریم ﷺ

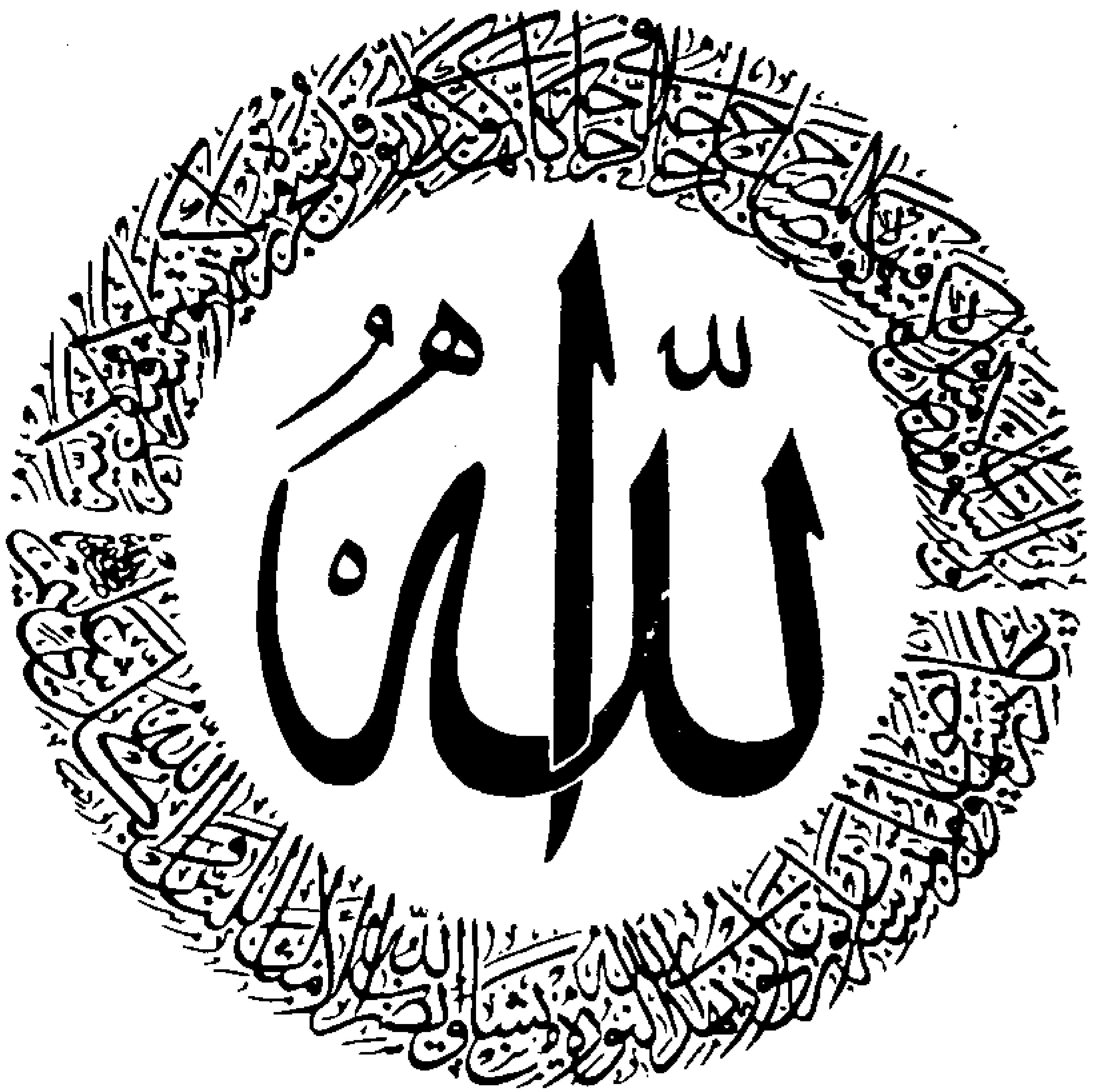
شیرِ ربانی

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

سیّد ارتضٰی علی کرمانی



72
33
40



حضرت شیرِ محمدؐ آفتابِ علم و دین
جلوۂ آئینۂ انوارِ رب العالمین
معدنِ جود و سخاء چشمہ صدق و صفا
ناقصوں پر ہو کرم بہرِ محمد مصطفیٰ

سیرت پاک

عاشقِ رسول اکرمؐ عارفِ اکمل، عالم باعمل، آفتابِ ولائت

حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ

المعروف

شیرِ ربانی رحمتہ اللہ علیہ

سید ارتضیٰ علی کرمانی

عظیم اینڈ سنز پبلشرز

الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

2000ء

محمد عظیم بٹ نے

گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر

الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

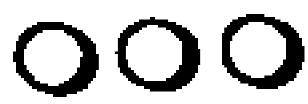
سے شائع کی

قیمت 70

انتساب

محترم المقام، پیر طریقت، رہبر شریعت
حضرت سید محمد عثمان نوری دامت برکاتھم
چیئرمین نوری فاؤنڈیشن پاکستان

فہرست



عرض ناشر

معزز قارئین کرام

السلام علیکم!

ادارہ آپ کی خدمت عالیہ میں اولیائے کرام کی سیرت کے سلسلہ میں ایک اور سیرت پاک پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ سلسلہ میں نے نوجوانان اسلام کے لئے کچھ عرصہ قبل ہی شروع کیا تھا مگر اس سلسلہ نے مجھے روحانی سکون اور اطمینان قلب عطا کیا ہے۔ یقینی بات ہے کہ کتابیں تو اور بھی چھاپی جاسکتی ہیں۔ جن کی کمائی بھی خاصی ہوسکتی ہے مگر اس سلسلہ میں اشاعت کا مقصد محض کمائی نہیں بلکہ نوجوانان اسلام کو اپنے بزرگان دین کی مقدس زندگیوں سے متعارف کروانا بھی ہے اور الحمد للہ! میں اپنے اس مقصد میں جناب شاہ صاحب کی معاونت سے کامیاب رہا ہوں۔

ادارہ ان کتابوں کو پورے خلوص کے ساتھ طبع اور شائع کرتا ہے۔ ہاں! مگر غلطی کا احتمال ضرور رہتا ہے اگر آپ کو ہماری کتابوں میں کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے گا۔

آپ کا خیر اندیش

حاجی محمد عظیم بٹ عظیمی قادری

میری عرض

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. اَلحمدُ لِلّٰہُ الَّذِیَّ عَلے المُومِنِین اِذْبُعَثَ رَسُولاً مِنّ اَنفُسِھِم یَتلُوا عَلَیھِم اٰیٰتِہٖ وَیزُکِّیھِم وَیُعلِّمُھُم الِکتاب وَالحِکمَۃَّ وجَعَلنَا مِنُ اُمۃِ ھٰذا الرَّسُولِ المحمود الَّذِیُ والصَّلوٰۃ وَالسَّلاَمُ عَلٰی حبیبہٖ وَخیر خَلقِہٖ وَمُختارِہٖ سَیِّدِنا وَمولاَنَا وشَفیعَنِا مُحمَّدٍ وَعلٰی اٰلِہٖ وَاصحَابِہٖ اجمعین، امابعد!

بندۂ حقیر کو اپنے بچپن سے ہی حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کے ساتھ دلی لگاؤ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گھر کے بالکل سامنے والے گھر میں حضرت حاجی جلال دین رحمتہ اللہ علیہ رہائش پذیر تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ میری والدہ صاحبہ کی بہن بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم لوگوں کا آپس میں خاصا میل جول تھا۔ مگر میں یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ میری دلی وابستگی حضرت شیر ربانی سے کیوں ہوئی۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے گھر کے بالکل سامنے حاجی جلال دین صاحب رہتے تھے۔ حاجی صاحب ایک صاحب نظر بزرگ تھے۔ آپ اکثر و بیشتر ہمیں یہ بتلاتے تھے کہ آپ کس طرح حضرت شیر ربانی کے مرید ہوئے۔

میں یہ بتلاتا چلوں کہ حاجی صاحب ان دنوں فیروز پور میں رہتے تھے۔ چنانچہ فیروز پور سے لاہور آنا اور پھر لاہور سے شرقپور جانا ایک طویل سفر بن جاتا ہے، مگر حاجی صاحب گاہے بگاہے شرقپور کے لئے آتے رہتے۔ لاہور میں آپ کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ تھا چنانچہ لاہور میں ٹھہرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بس فیروز پور سے لاہور آنا اور شرقپور چلے جانا ہی معمولات میں شامل تھا۔ میں بہت چھوٹا تھا جب سے حاجی صاحب کی زبانی حضرت شیر ربانی

کی باتیں سنتا تھا۔ اسی طرح میرے دل میں حضرت قبلہ شیر ربانی کی عقیدت جا گزیں ہوگئی۔

ایک روز یوں ہوا کہ حضرت حاجی محمد عظیم بٹ صاحب نے دوران نشست فرمایا کہ شاہ جی آپ نے ابھی تک حضرت شیر محمد صاحب شرقپوری علیہ الرحمتہ کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ میرا تو خیال ہے کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے بعد آپ حضرت شیر محمد صاحب علیہ الرحمتہ کی سیرت پر لکھنا شروع کریں۔ میں نے وعدہ کرلیا اور پھر اس تگ و دو میں مصروف ہوا کہ کس طرح آپ کی زندگی مبارک کے بارے میں جان سکوں۔ ابھی اسی ادھیڑبن میں ہی مصروف تھا کہ میری ملاقات جناب محمد الیاس صاحب (فرخ پبلشرز) نے جناب محمد طاہر صاحب سے کروائی کہ آپ ان سے معلومات حاصل کرلیں۔

جناب طاہر صاحب کا خانوادہ شرقپور سے ہی وابستہ ہے اور آپ نے مجھے اپنے تعاون کا مکمل یقین دلاتے ہوئے فرمایا کہ کب شرقپور چلنا ہے۔ اس طرح میں اور طاہر صاحب نے طے کرلیا کہ بروز اتوار مورخہ 31 مارچ 2002ء کی صبح شرقپور چلیں گے۔ طاہر صاحب کی ذرہ نوازی کہ وہ مجھے اپنی موٹرسائیکل پر ہی شرقپور شریف لے کر گئے۔ جب وہاں پہنچے تو ہمارا پرتپاک استقبال طاہر صاحب کے ماموں زاد جو کہ علاقے کے نمبردار بھی تھے نے کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ ہمیں لے کر شاداب کمپلیکس میں جا پہنچے جہاں ہماری ملاقات جناب عبدالرؤف شاداب صاحب، کے ساتھ ہوئی۔

جناب شاداب صاحب ایک صاحب علم شخصیت ہیں اور انہوں نے ہمیں خاصی مفید معلومات سے نوازہ۔ جس قدر خوشی ان سے ملاقات کرکے حاصل ہوئی اسی قدر یا کچھ زیادہ مجھے ان کی لائبریری کی زبوں حالی پر دکھ ہوا۔ جس کا میں نے ان سے برملا اظہار بھی کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد شاداب صاحب ہمیں لے کر دربار شریف کی طرف چل دیئے۔ جہاں سب سے پہلے انہوں نے ہماری ملاقات سجادہ نشین جناب میاں ابوبکر صاحب سے کروائی۔ جناب ابوبکر صاحب کے پاس عقیدت مندوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا سلام عرض کرکے دربار

شریف کی طرف چلے گئے جہاں شاداب صاحب کی عنایت کی وجہ سے انتظامیہ نے دربار عالیہ کا دروازہ کھول کر مجھے اور طاہر صاحب کو اندر بٹھا دیا۔

دربار شریف میں تین مقابر کی وجہ سے جگہ بالکل نہیں تھی۔ طاہر صاحب کھڑے ہو گئے اور میں دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ میں کچھ دیر ادب سے بیٹھا پڑھتا رہا اور پھر فاتحہ پڑھ کر دربار شریف سے باہر آ گیا۔ اب وہاں سے شاداب صاحب ہمیں لے کر ایک مرتبہ پھر پہلے والی جگہ پر آ گئے اور ہم سے کہا کہ اگر ہم چاہیں تو میاں جمیل احمد صاحب سے بھی مل لیں۔ ہمیں بھلا کیا اعتراض تھا۔

چنانچہ! ہم سب حضرت میاں جمیل احمد صاحب کی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر شاداب صاحب نے ایک بزرگ سے عرض کی کہ بابا جی ان لوگوں کو میاں صاحب سے ملوا دیں تو انہوں نے بصد مشکل اجازت مرحمت فرمائی۔ ہم تینوں بڑے سے برآمدے کو طے کر کے حضرت صاحب کے کمرے میں جب پہنچے تو پورا کمرہ عقیدت مندوں سے بھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں نے میاں صاحب کو سلام عرض کیا اور یہ بتلایا کہ میں حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کی سیرت پر کتاب لکھ رہا ہوں تو میاں صاحب نے میری خاصی حوصلہ افزائی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازہ۔ میرا کارڈ مانگ لیا اور حکم فرمایا کہ میں ان سے رابطہ رکھوں۔ آپ کی خدمت میں ہم لوگ تقریباً ایک گھنٹہ رہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میاں صاحب نے مجھے ایک گھنٹے تک شرف ملاقات بخشا۔ اور مسلسل مجھے مشوروں سے نوازتے رہے ایک گھنٹے کی سیر حاصل گفتگو کے بعد میں نے آپ سے رخصت کی اجازت چاہی اور مصافحہ کر کے رخصت ہوا۔ ایک اور بات بڑی حیران کن ہوئی کہ جس کو بھی یہ بتلایا کہ ہم لوگ میاں صاحب کے پاس اتنی دیر بیٹھ کر آئے ہیں تو اس کو یقین ہی نہ آیا۔ وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں تو عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے پھر بھلا وہاں کیسے اتنی دیر نشست رہ سکتی ہے۔ میں جناب میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری کا ازحد ممنون ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

شرقپور سے جب ہم لاہور واپس آنے لگے تو وہاں ہماری ملاقات شرقپور کی معروف شخصیت جناب میاں نزاکت علی صاحب سے ہوئی۔ آپ اردو بازار لاہور میں ہی کاروبار کرتے ہیں مگر آپ کی رہائش شرقپور شریف میں ہے۔ میاں صاحب نے ہماری خوب آؤ بھگت کی اور بڑی مشکل سے واپسی کی اجازت عطا فرمائی۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بندۂ حقیر بفضل تعالیٰ اولیائے عظام کی سیرت پاک پر متعدد کتابیں لکھ چکا ہے جن کو آپ تک رسائی کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس ناچیز کی کوشش یہ ہے کہ اپنے ناتواں قلم سے پاکباز ہستیوں کی سیرت لکھ کر اپنے لئے آخرت کا کچھ سامان مہیا کر لے۔ وگرنہ میرے پاس کیا ہے علم ہے نہ قلم ہے نہ حلم ہے نہ گفتار ہے اور نہ ہی دولت ہے۔ یہ جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے یہ سب اللہ کریم جل مثانہ کی عطائے کریمانہ ہے کہ وہ مجھ جیسے کمینہ صفت انسان سے اپنے پاکباز بندوں کی سیرت قلمبند کروا رہا ہے۔ یہ اس ذات لازوال کا مجھ ناہنجار پر بے پایاں کرم اور احسان ہے۔

میں تہہ دل سے حضرت حاجی محمد عظیم بٹ صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل خیال کیا کہ میں اتنا بڑا کام سرانجام دے سکوں۔ یہ ان کی شفقت ہے کہ ان کی نگاہ زمانہ شناس مجھ جیسے کم علم پر ٹھہری۔

مجھے امید ہے کہ بفضل تعالیٰ یہ کتاب بھی حسب سابق آپ کو بہت پسند آئے گی۔ اگر اس میں آپ کو میری تحریری غلطی دکھائی دے تو مطلع ضرور فرمایئے گا۔ بندۂ احسان مند ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والسلام علیٰ من ھو یحب الاتباع الخیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

از خاکپائے سگ سگان کوئے مدینہ
سید ارتضٰی علی کرمانی۔ عفی اللہ عنہ
چاہ میراں۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ

خطۂ پنجاب میں بڑی بڑی نامور اور قد آور ہستیوں نے جنم لیا ہے۔ یہاں شاعری، پہلوانی، ادب اور تصوف کے میدان میں بڑے بڑے نابغہ روزگار لوگ ملتے ہیں۔ انہی بلند پایہ اور عظیم ترین ہستیوں میں ہمیں عارف حقانی، شہباز قضائے معرفت، شیر یزدانی، عاشق ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری علیہ الرحمتہ کا نام نامی اسم گرامی بھی ملتا ہے۔ میاں صاحب کی شخصیت کا احاطہ کرنا ہرکس و ناکس کا تو کام نہیں ہے۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آپؒ کی حیات مبارکہ پر بہت زیادہ مواد نہیں ملتا ہے مگر جس قدر بھی مواد ہمیں حاصل ہوا ہے وہ نہایت جامع اور بھرپور ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری علیہ الرحمتہ کی ذات اقدس بلاشبہ اولیائے گزشتہ کی ہی ایک کڑی تھی یعنی آپ میں وہی صفات دکھائی دیتی تھیں جو اولیائے گزشتہ میں ہمیشہ دکھائی دیتی ہیں۔ آپ نے جس قدر شاندار طریقے سے شریعت پر عمل کر کے دکھلایا یہ صرف آپ ہی کا کام تھا۔

آباؤ اجداد

روایت ہے کہ ایک مرتبہ میاں صاحب نے بذات خود فرمایا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کابل کے رہنے والے تھے۔ علمی فضیلت کے باعث عام طور پر لوگ

انہیں ''مخدوم'' کہا کرتے اور ان میں سے بعض بزرگوں کو تو شاہی خاندان میں اُستاد کا درجہ بھی حاصل تھا۔

روایت ہے کہ ہندوستان میں جب اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا اور وہاں سے جب پٹھانوں نے ہندوستان کا رخ کیا تو وہ اپنے اساتذہ کرام کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ یہ اساتذہ میاں صاحب کے آباؤ اجداد ہی تھے۔ ان لوگوں نے خطۂ پنجاب کے ایک معروف شہر قصور کو اپنا مسکن بنانا پسند کیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصور ان دنوں علمی لحاظ سے ایک معروف شہر تھا اور یہاں کی آب و ہوا بھی بہت سازگار تھی۔

انہی بزرگان کی تیسری پشت میں ایک نامور بزرگ حضرت صالح محمدؒ بھی گزرے ہیں۔ آپ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نہایت ہی پاکباز، متقی اور پرہیز گار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کلام اللہ شریف لکھ کر اپنی گزر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ لازمی بات ہے کہ آپ لوگوں کو ظاہری علم سے بھی نوازتے ہوں گے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ نزدیکی غار میں ایک اللہ کا ولی آ کر ٹھہرا ہے۔ میں نے ان کی بڑی شہرت سنی ہے۔ اگر آپکی اجازت ہو تو میں ان کی خدمت میں حاضری دوں اور ان سے عرض کروں کہ وہ ہمارے لئے دعا کریں کہ ہمارے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہو۔ آپ نے تبسم فرمایا اور یہ فرمایا کہ نہیں نہیں، میں خود ان کی خدمت عالیہ میں حاضری دوں گا اور خود ہی عرضداشت بھی پیش کروں گا۔

آپ اسی روز غار میں مقیم بزرگ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور میں ایک عرض لے کر حاضر ہوا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ آپ بتلائیں تو سہی کہ آپ کی حاجت کیا ہے جس کے جواب میں حضرت صالح محمد صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضور میں اولاد نرینہ سے محروم ہوں اگر آپ دعا فرما دیں تو مجھے

یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولادِ نرینہ سے ضرور نواز دے گا۔

یہ سن کر اس بزرگ نے فرمایا کہ اللہ کریم بڑا غفور الرحیم ہے وہ تمہیں ایک بیٹا عطا کرے گا تم اس کا نام شیر محمد رکھنا، چنانچہ ان کی دعا سے اللہ پاک نے حضرت صالح محمدؒ کو ایک فرزند ارجمند سے نوازا اور اس کا نام غلام رسول رکھا گیا۔

اس روایت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا مگر ایک بات میری ناقص عقل میں آ نہیں رہی کہ جب بزرگ ہستی نے بیٹے کی پیشنگوئی کر دی تو پھر ان کا تجویز کردہ نام کیوں نہیں رکھا گیا۔ اس بات کی وضاحت اس روایت میں نہیں کی گئی۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان بزرگ کا نام بھی غلام رسول ہو کیونکہ درج بالا روایت میں ان کا نام درج نہیں کیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ انہی کی محبت اور الفت میں پیدا ہونے والے بچے کا نام غلام رسول رکھا گیا۔

حضرت غلام رسول علیہ الرحمتہ

حضرت صالح محمدؒ کے گھر جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہر طرف خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ درحقیقت یہ بڑی منتوں مرادوں کا بچہ تھا اور ایک ولی کامل کی دعا سے پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹے کی پرورش عین اسلامی ماحول میں فرمائی اور بڑی توجہ سے اپنے بیٹے کی تربیت بھی شروع کی۔ جب حضرت غلام رسولؒ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر لی تو آپ کے والد گرامی نے آپ کو مزید تعلیم بھی دلوائی۔ چنانچہ آپ اپنی لیاقت اور تعلیمی قابلیت کے بل بوتے پر قصور کے مفتی مقرر کر دیئے گئے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

یہ وہ دور تھا کہ جب قصور پر نواب قطب الدین کی حکمرانی تھی۔ یاد رہے کہ ان دنوں پنجاب میں قصور کو ایک منفرد اور تعلیمی مرکز قرار دیا جاتا تھا۔

روایت ہے کہ رنجیت سنگھ نے قصور پر زبردست حملہ کیا اور پورے شہر کو برباد کر کے رکھ دیا۔ روایت میں یہ بات تحریر نہیں ہے کہ رنجیت سنگھ نے کس سن میں قصور پر حملہ کیا۔

رنجیت سنگھ کے اس حملے اور تباہی و بربادی کے نتیجہ میں قصور شہر اجڑ کر رہ گیا اور وہاں لوٹ مار کے نتیجے میں اشیائے خوردونوش کی شدید قلت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اکثر خاندان قصور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں میں حضرت غلام رسولؒ صاحب بھی تھے۔ مگر انہوں نے قصور چھوڑتے وقت قیمتی سامان نہیں بلکہ اپنے شاگردوں اور کتابوں کو اپنے ہمراہ لیا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہی متاع حیات تھی۔

آپ کی پہلی منزل حجرہ شاہ مقیم تھی۔ ان دنوں حجرہ شاہ مقیم میں ایک بہت بڑے ولی کامل حضرت قطب امامؒ صاحب کی بہت دھوم تھی حضرت غلام رسول علیہ الرحمتہ شاہ مقیم میں چونکہ بالکل نووارد تھے چنانچہ آپ ایک مسجد میں اپنے ساتھیوں سمیت رات کو ٹھہر گئے۔ ان دنوں یہی رواج تھا کہ دور دراز کے مسافر کسی بھی اجنبی علاقے میں جب جاتے تو وہ اس علاقے کی مسجد میں قیام کرتے تھے۔ جہاں ان لوگوں کو کھانا بھی اہل شہر یا اہل آبادی کی طرف سے بغیر قیمت کے مل جاتا تھا۔

نماز فجر کے بعد آپ نے دیکھا کہ مسجد میں دیگر بچوں کے ساتھ دو نو عمر بچے الگ تھلگ دکھائی دے رہے تھے حضرت غلام رسول علیہ الرحمتہ نے ان دونوں بچوں کو پڑھتے دیکھا تو ان کے قریب چلے گئے۔ آپ نے ایک بچے کی تختی پر ''الف'' لکھ دیا اور دوسرے کی تختی پر ''ب'' لکھ دیا۔ بچوں کے لئے یہ بات بڑی حیرانی کا باعث تھی۔ دونوں بچے اسی طرح تختیاں لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ مگر انہوں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ اپنی تختیاں اپنے والد مکرمی کو دکھائیں۔ ان دنوں بچوں کے والد گرامی جناب خواجہ قطب امام تھے۔

"یہ کس نے لکھا ہے" خواجہ صاحب نے دونوں تختیوں کو بغور دیکھتے ہوئے بچوں سے پوچھا "یہ کسی انسان کی نہیں بلکہ کسی فرشتے کی لکھائی لگتی ہے۔ ذرا مجھے لکھنے والے کا پتہ تو بتاؤ۔"

دونوں بچے بڑے خوش ہوئے اور اپنے والد گرامی کو بتلایا کہ مسجد میں جو لوگ آکر ٹھہرے ہیں انہی میں سے ایک صاحب نے یہ لکھا ہے۔ قطب امام صاحب نے بچوں سے فرمایا کہ ذرا تم ان کو جا کر بلا تو لاؤ۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں دونوں بچے فوراً دوڑتے ہوئے گئے اور حضرت غلام رسول صاحب کو بلا لائے۔

خواجہ صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں بھانپ لیا کہ یہ شخص بلند کردار کا حامل ہے اور کسی رہبر کی تلاش میں ہے، انہوں نے حضرت غلام رسول صاحب سے فرمایا کہ اگر آپ مناسب خیال کریں تو ہمارے ہاں قیام فرمائیں اور میرے بچوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی علم سکھائیں۔ چنانچہ حضرت غلام رسول صاحب اپنے تمام شاگردوں کے ہمراہ خواجہ صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں خصوصیت کے ساتھ خواجہ صاحب کے بچوں کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد کی گئی۔

کچھ عرصہ تو درس و تدریس میں ہی گزرا مگر اس دوران حضرت غلام رسول صاحب نے بڑے انہماک اور دلچسپی کے ساتھ حضرت قطب امام صاحب کے معمولات کا مشاہدہ کیا۔ آخر ایک روز آپ نے بیعت کی درخواست کی جو خواجہ صاحب نے قبول کرلی اور یوں آپ حضرت قطب امام صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

ابھی حجرہ شاہ مقیم میں حضرت غلام رسول صاحب کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہاں بھی سکھوں نے یورش کردی۔ مسلمانوں کا دفاع انتہائی ناقص تھا چنانچہ یہاں بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور ان کی املاک کو

لوٹ لیا گیا۔ اس دوران حضرت غلام رسول صاحب اور خواجہ صاحب کے بچوں نے ایک پرانے کنویں میں چھپ کر جان بچائی۔ جب رات کی تاریکی بڑھی تو دونوں صاحبزادے اپنے گھر کو چلے گئے۔

کچھ روز آپ اسی کنویں میں روپوش رہے ان دوران آپ کو حجرہ شاہ مقیم کے زرگر خاندان کے کچھ افراد کھانے پینے کی اشیاء دیتے رہے۔ جب سکھوں نے قدرے سکون اختیار کیا تو آپ کنویں سے نکل کر باہر آگئے اور خواجہ صاحب کے حکم کے عین مطابق آپ حجرہ شاہ مقیم سے نقل مکانی کر کے شرقپور آگئے کیونکہ زرگر خاندان کے کافی لوگ شرقپور شریف میں قیام پذیر تھے چنانچہ زرگر خاندان کے افراد آپ کو خواجہ صاحب کے حکم سے یہاں لے آئے۔ ان لوگوں نے بھی حجرہ شاہ مقیم کو خیر آباد کہہ دیا اور مستقل طور پر شرقپور شریف میں رہائش اختیار کر لی۔

چند روز آرام کرنے کے بعد آپؒ نے ایک مرتبہ پھر درس و تدریس کا آغاز کر دیا اور یوں دور دور تک آپ کی علمیت کا چرچا ہونے لگا۔ دور و نزدیک سے طالبان علم آپ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنے دلوں کو روشن کرتے۔

شرقپور کے چند لوگوں نے ایک قطعہ اراضی پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ یہاں مسجد بنائیں۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں شرقپور شریف کے لوگ کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے شاگردوں کے ہمراہ یہاں زبردست صفائی کی۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہاں پر قریب ہی ایک شہتوت کا درخت تھا چنانچہ مسجد "توت والی" مسجد کے نام سے مشہور ہو گئی۔

ابھی مسجد زیر تعمیر تھی کہ آپ نے اپنا تحریر کردہ قرآن کریم کا قلمی نسخہ ایک سو پچیس روپے میں دے کر مسجد کے لئے ایک کنواں بنوایا۔ اس پانی کے متعلق لوگوں نے بڑی باتیں بیان کی ہیں اور اس پانی سے بہت سی کرامتیں بھی منسوب ہیں۔ یہ کنواں ابھی تک مسجد کے ساتھ ہی موجود ہے۔ اس کے علاوہ

آپ نے مسجد کے لئے ایک چوکھٹ بھی تیار کروائی ۔ مسجد کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد آپ نے اسی مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور لوگوں کو راہ ہدایت دکھلانا شروع کی۔

روایت ہے کہ آپ کے پاس حصول علم کے لئے آنے والوں میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق افراد آیا کرتے تھے جبکہ ان میں مذہب کی بھی کوئی قید نہ تھی۔ ہندو اور سکھ مذاہب کے لوگ بھی آپ کے پاس حصول علم کے لئے آیا کرتے تھے۔ جلد ہی آپ کو دور و نزدیک ایک ولی کامل کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ایک کرامت آپ کی بہت مشہور و معروف ہے کہ آپ کے پاس ایک کمبل ہوتا تھا جو کچھ بھی آپ کے پاس لایا جاتا آپ اس کو اسی کمبل میں ڈال لیا کرتے تھے مثلاً سویاں، دودھ یا اور بھی کوئی چیز آتی آپ اسی میں ڈال لیتے مگر اس میں سے کوئی بھی چیز کبھی ٹپکتی نہیں دیکھی گئی تھی۔

ایک اور کرامت آپ کی بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شرقپور شریف میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ لوگوں میں پریشانی کی لہر دوڑ نا لازمی امر تھا۔ آپ کے عقیدت مند آپ کے پاس بہت پریشانی کے عالم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پورے شرقپور میں طاعون بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے آپ نظر کرم فرمائیں تا کہ اس بلا سے پیچھا چھوٹ سکے ۔ آپ نے ایک نقارہ منگوایا اور اس کے اوپر جہاں چوٹ لگائی جاتی ہے یہ دعا اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائی۔

لِی خَمسَةٌ اُطْفِی بِهَا حَرّالوُبَا الحاطِمَه۔ المُصطفیٰ والمرتضیٰ ابنَاهُمَا وَ اَلفاطِمَه

یہ دعا تحریر فرما کر آپ نے حکم دیا کہ اس نقارے کو مسجد کی چھت پر لے جا کر خوب زور دار آواز میں چوٹ لگائی جائے ۔ اسی کے ساتھ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ شہر کے دروازوں پر پہرے دار ہوشیار رہیں اور کسی کو شہر سے باہر جاتے دیکھ کر اطلاع دیں۔ چنانچہ منڈی والے دروازے کا پہرے دار صبح

حاضر ہو ااور عرض کی کہ حضور آدھی رات کے وقت ایک عورت پریشان حال دروازے سے باہر بڑی تیزی کے ساتھ جاتی دکھائی دی تھی۔ آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ارے بھائی وہ کوئی عورت نہیں تھی بلکہ طاعون کی بلا تھی جو تمہارے شہر سے چلی گئی ہے چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ اس دن سے لوگوں سے طاعون کی بیماری دور ہونا شروع ہو گئی اور بیمار لوگ تیزی سے تندرست ہونا شروع ہو گئے۔

حضرت غلام رسول صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی بلکہ صرف ایک بیٹی ہی تھیں جن کا نام آمنہ تھا۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے بھتیجے حافظ محمد حسین صاحب قصوری سے کر دیا۔ حافظ صاحب بڑے بلند پایہ عالم دین تھے۔ انہوں نے حضرت غلام رسول صاحب کے انتقال کے بعد شرقپور شریف میں آپ کا مشن پورا کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ وسیع تر کر دیا۔ لوگ آپ کے درس سننے کے لئے دور دور سے آیا کرتے اور قلبی سکون حاصل کرتے۔

چونکہ حضرت غلام رسول علیہ الرحمتہ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی چنانچہ حافظ صاحب آپ کے پاس شرقپور شریف میں ہی رہائش پذیر ہو گئے جہاں آپ نے پورے علاقہ کو اپنا گرویدہ بنالیا اور علاقے کے امراو رؤساء آپ سے کتنا علم حاصل کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔

روایت کہ حضرت غلام رسول علیہ الرحمتہ نے 1282ھ میں وصال فرمایا آپ کا مزار اقدس حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے روضہ مبارک کے قریب ہی موجود ہے۔

والد گرامی قدر

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کے والد گرامی حضرت میاں عزیز الدین علیہ الرحمتہ بہت نیک اور خداترس شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کی

11778

طبیعت اتباع شریعت اور زہد و تقویٰ سے عبارت تھی آپ نے کھیتی باڑی کو اختیار نہ کیا بلکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمت قبول کی۔ آپ ضلع رہتک میں صدر مقام پر ویکسی نیٹرز سپرنٹنڈنٹ تعینات کیے گئے۔حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ صاحب راویت بیان کرتے ہیں کہ جب حاجی صاحب ویکسی نیٹر مقرر ہو کر ضلع رہتک گئے تو وہاں انہیں میاں عزیز الدین کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملا۔

حاجی کا کہنا تھا کہ آپ خصائل حمیدہ اور اوصاف جمیلہ کا مرقع تھے۔آپ تہجد گزار اور عبادت کے شوقین بزرگ تھے آپ کا سلوک افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ یکساں ہوا کرتا تھا۔ جبکہ آپ کا اخلاق تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

حضرت میاں عزیز الدین صاحب کے معمولات میں دو تین ماہ کے بعد گھر آنا شامل تھا۔ یہی وہ دور تھا کہ جب قبلہ میاں صاحب نے دنیا سے لاتعلقی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔آپ اکثر روتے رہتے اور اپنا زیادہ تر وقت جنگلوں اور بیابانوں میں یاد الٰہی میں گزارتے۔حضرت میاں عزیز صاحب بھی دیگر لوگوں کی طرح آپ کو ''سائیں لوک'' ہی سمجھتے تھے۔ چونکہ آپ اپنے والد صاحب کی اکلوتی نرینہ اولاد تھے چنانچہ آپ کے والد صاحب نے مزید اولاد کے لئے دوسری شادی کر لی۔ جس میں سے آپ کے بھائی حضرت غلام اللہ ثانی لاثانی تولد ہوئے تھے۔

ایک راویت بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عزیز صاحب علیہ الرحمۃ نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد سرکاری دورے پر کہیں جا رہے تھے کہ اچانک ان کے گھوڑے کو ایک نقاب پوش نے روک لیا۔ آپ نے گھوڑے سے اترنے کی کوشش کی تو اس نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میاں جی! جس لڑکے کو آپ ''سائیں لوک'' خیال کرتے ہو وہ اپنے

زمانے کا ایک نہایت ہی باکمال شخص ہوگا۔اس آفتاب ہدایت کی ضیاپاریاں تاریک دلوں کو منور کریں گی۔یہ منبع فیوض و برکات ہوگا اور دنیا اس کو مانے گی۔ اس بچے کا شہرہ چہار دانگ عالم میں ہوگا۔ مگر افسوس کہ آپ اپنے اس نیک بخت بچے کا عروج نہیں دیکھ پائیں گے۔ آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ اس کو سخت سست نہ کہا کریں''

اس روز کے بعد میاں عزیز صاحب کے دل میں اپنے بیٹے کے لئے پیار محبت بڑھ گئی چونکہ آپ خود بھی نیک و پارسا تھے اور ولی کامل کی اولاد تھے اور آپ جانتے تھے کہ یہ بشارت معمولی بات نہیں چنانچہ آپ نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ساتھ پہلے کی نسبت بہت زیادہ اچھا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ علاقے کے تمام لوگوں کو ہدایت کردی کہ شیر محمد تم سے جو بھی مانگے تم اس کو دے دینا میں جب واپس آیا کروں گا تو تمہیں ادا کر دیا کروں گا۔ لہذا جب آپ واپس شرقپور شریف آتے تو سب سے پہلے لوگوں سے پوچھتے کہ شیر محمد نے تم سے کچھ لیا ہے تو اس کے پیسے مجھ سے لے لو۔

اسی طرح شب و روز گزر رہے تھے کہ اچانک ہیضے کی وبا ضلع روہتک کے قصبے ہانسی میں پھوٹ پڑی۔ آپ کی تعیناتی اس قصبے میں کر دی گئی کیونکہ آپ ایک سمجھدار ویکسی نیٹر تھے۔ مگر یہ تعیناتی آخری ثابت ہوئی۔ ہوا یوں کہ آپ خود ہی اس موذی مرض کا شکار ہو کر فوت ہو گئے۔ آپ کو چند روز کے بعد ہانسی میں ہی دفن کر دیا گیا۔ جب شرقپور میں اطلاع آئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان افسر بہت ہی کم ہوا کرتے تھے اور ایک قصبے یا شہر میں چند ایک ہی سرکاری افسر مسلمان ہوتے تھے۔ مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ میاں عزیز الدین علیہ الرحمتہ کی تاریخ وفات کسی جگہ تحریر نہیں وگرنہ یہ معلوم کرنے میں آسانی رہتی کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کی

عمر مبارک کیا تھی۔

ازاں بعد شیر ربانی علیہ الرحمتہ خود بھی ہانسی گئے تھے اور اپنے عزیز براد رکو بھی خصوصی طور پر پر ہانسی روانہ فرمایا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے براد رعزیز غلام اللہ صاحب کو ہانسی جانے کے لئے حاجی شیخ کریم بخش کھورانہ کے ساتھ روانہ فرمایا اور زاد راہ کے طور پر 45 روپے دیئے۔ اس زمانے میں یہ ایک بہت بڑی رقم خیال کی جاتی تھی۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ

تم دونوں پہلے تو سرہند شریف جانا اور مجدد اعظم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دینا۔ اس کے بعد پانی پت جا کر غوث علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے دلی کے راستے امام دین درزی کو مل کر ہانسی چلے جانا۔ وہاں قصبے کے باہر ایک ''چھپڑ'' کے کنارے کیکر کا درخت ہے اس درخت کے نیچے تین مزارات ہیں۔ انہی میں قبلہ والد صاحب کا مزار بھی ہے۔ وہاں کچھ دیر قیام کرنا اور فاتحہ خوانی کے بعد واپس آنا''

یہ ہدایت ذہن نشین کر کے دونوں بزرگ شرقپور سے چل پڑے اور مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور غوث علی صاحب مزارات پر حاضری دیتے ہوئے حضرت عزیز صاحب علیہ الرحمتہ کے مزار اقدس پر بھی حاضری دے کر آئے۔ یہ سفر کس سن میں کیا گیا یہ کہیں بھی درج نہیں ہے۔

ولادت باسعادت!

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپور علیہ الرحمتہ کی ولادت باسعادت سے قبل جو پیشین گوئیاں کی گئیں ان کے متعلق ''حدیث دلبراں'' میں حاجی افضل مونگہ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''ہمارے میاں امام دین مونگہ نے میاں ولی محمد

صاحب ریوڑی اور ان کے دیگر ہم عصر لوگ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قبلہ کی ولادت سے کافی عرصہ پیشتر ایک فقیر مجذوب یہاں آیا کرتے تھے اور آپ کے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیتے رہتے تھے۔ فقیر مذکور کو اکثر چھ سات ماہ بعد دیکھا جاتا تھا۔ ایک روز قصبے کے معززین مل کر فقیر کے پاس گئے اور کہا آپ نے جو کچھ لینا ہو فرمایئے ہم حاضر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ فقیر کا آبادی سے خالی ہاتھ جانا آبادی کے لوگوں پر بوجھ ہوا کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فقیر نے مسکراتے ہوئے کہا مجھے تو کچھ بھی نہیں چاہیے اور نہ ہی میں مانگنے کے لئے آتا ہوں۔ میں تو اس مکان میں ایک برکت والی ہستی کی آمد دیکھ رہا ہوں اور اسی ہستی سے فیض یاب ہونے کے لئے یہاں حاضر ہوتا ہوں۔

روایت ہے کہ حضرت خواجہ امیرالدینؒ علیہ الرحمتہ بھی حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کی ولادت باسعادت سے بہت عرصہ پہلے شرقپور شریف تشریف لایا کرتے تھے آپ جب بھی یہاں وارد ہوئے تو فرمایا کرتے کہ ''مجھے کشف ہوا ہے کہ اس سرزمین میں ایک ''شیر خدا'' پیدا ہوگا اور وہ ایک دنیا کو فیض یاب کرے گا''۔

ان پیشن گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت بھی آن پہنچا۔ 1282ھ کو صبح سویرے شرقپور شریف بنانے والی بلند پایہ ہستی نے جنم لیا' پوری دنیا میں اس بچے کی دھوم مچنے والی تھی۔

''حدیث دلبراں'' نامی کتاب میں حاجی فضل احمد مونگہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ان کی دادی اماں روایت بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت شیر ربانی کی ولادت ہوئی تو میں آپ کے گھر میں موجود تھی کیوں کہ میں آپ کی والدہ صاحبہ سے پڑھا کرتی تھی اور پڑھنے والی تمام لڑکیوں میں بڑی ہونے کی وجہ سے یہ شرف مجھے حاصل ہوا کہ میں حضرت شیر ربانی کو نہلاؤں، دھلاؤں اور مکھن

دوں۔ اسی وجہ سے شیر ربانی قبلہ بڑے ہو کر مجھے پھوپھی کہا کرتے تھے۔"

حاجی صاحب کی دادی جان ایک اور بھی روایت بیان کرتی ہیں کہ حضرت شیر ربانی کی بڑی ہمشیرہ نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اترا ہے۔ جس کو اٹھانے والوں کے چہروں پر نور برس رہا ہے۔ وہ میرے بھائی کو تخت پر بٹھا کر آسمان پر لے گئے اور جب واپس لائے تو اس کے سر پر ایک چمکتا ہوا تاج تھا اور آپ نورانی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے" جب آپ جوان ہو گئے تو اکثر جب آپ اپنی ہمشیرہ کے ہاں جاتے تو سب لوگ یہ بات کرتے تو آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ صاحب رحمتہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری پیدائش ہوئی تو اس کی خبر بابا غلام رسول کو دی گئی تو انہوں نے مجھے مسجد میں لانے کو کہا۔ چنانچہ مجھے مسجد میں لاکر بابا صاحب کے ہاتھوں میں دے دیا گیا، انہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور صاحب کمال ہو گا۔ اس کے بعد اپنی زبان مبارک میرے منہ میں ڈال دی جس کو میں نے چوس لیا۔ سلسلہ قادریہ سے میری نسبت اسی وجہ سے ہے۔

ازاں بعد حسب دستور ساتویں روز اہل خانہ نے بچے کا نام تجویز کرنے کے لئے دریافت کیا تو حضرت غلام رسول صاحب نے ارشاد فرمایا یہ بچہ وہی ہے جس کی بشارت میرے والد بزرگوار کو غار میں رہنے والے ولی کامل نے عطا کی تھی۔ وہ میں نہیں تھا بلکہ وہ ہونہار اور بلند بخت لڑکا یہی تھا اور ان کے فرمان کے مطابق آپ کا اسم گرامی شیر محمد رکھا گیا۔

بچپن

حضرت میاں شیر محمد صاحب شر قپوری علیہ الرحمتہ کا بچپن دیگر اولیائے صالحین کی طرح پاک و صاف تھا۔ آپ کے عہد کے بزرگان اس بات کے

گواہ تھے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ روایات کے مطابق آپ کا بچپن کچھ ایسا بے نظیر اور شاندار تھا کہ اس کی مثال سوائے اولیائے کاملین کے کسی اور طبقے میں نہیں مل سکتی۔ بوقت ولادت ارد گرد کے اہل فقر اور درویشوں نے آپ کے والدگرامی میاں عزیز الدین صاحب کو مبارک بادیں پیش کی تھیں۔ اور اسی وقت پیشن گوئیاں بھی کی گئیں کہ یہ بچہ ولی کامل ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ بچہ ولی ہوگا بلکہ یہ کہا گیا کہ یہ بچہ ولی کامل ہے۔ یہ بات کسی بھی ولی کے لئے از حد خوش آئند بات ہے کہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی یہ بات کہہ دی جائے کہ یہ تو ولی کامل ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری پیشن گوئیاں بھی تھیں کہ اس نومولود کی شہرت دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلے گی اور ان گنت مخلوق اس چشمہ ہدایت و معرفت سے فیضیاب ہوگی۔ یہ بچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شریعت کو زندہ کرے گا چنانچہ اس بچے کی جانب مکمل توجہ دی جائے اور اس کے ساتھ ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے یہ بچہ تو اللہ کا اور حضور ﷺ کا لاڈلا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عالم شیر خوارگی میں بھی کسی نے روتے اور ضد کرتے نہیں دیکھا تھا۔ آپ ہر وقت خاموش خاموش رہتے اور آپ کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلتے رہتے۔ آپ کی والدہ فرماتی تھیں کہ میرا بیٹا تو کچھ نہ کچھ ذکر ہی کرتا رہتا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی تھیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بالکل اندھیرے میں محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں نور برساتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اس کی پیشانی پر قدرت خداوندی نے ماہتاب طلوع کر رکھا ہے اور کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے نور کا ابر باراں ہر وقت آسمان سے اس پر برس رہا ہے۔ یہ کیفیت سر شام ہی شروع ہو جاتی اور پھر جوں جوں رات بھیگتی جاتی شدت اختیار کرتی جاتی اور ایسا بھی کئی مرتبہ ہوا کہ اس نوری ہالے میں بچہ دکھائی نہیں

دیتا تھا۔

جب کچھ بڑے ہوئے تو آپ نے تنہائی اختیار کرنا شروع کر دی۔ بچوں میں آپ کی دلچسپی بالکل نہ تھی آپ نہ تو بچوں کے پاس بیٹھتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ کھیلتے تھے۔ عالم طفولیت میں ہی آپ کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہونا شروع ہو گئیں اور شرارتوں وکھیل کود سے تو پہلے ہی دور بلکہ بہت دور تھے۔ آپ کی طبعیت میں ایک ٹھہراؤ تھا جبکہ کم گوئی، کم خوری، ادب، اخلاق، فرماں برداری اور غور و تدبر آپ کا خاصہ تھا۔

آپ نے پانچ برس کی عمر میں کلام اللہ شریف پڑھ لیا اور اس کے بعد آپ کو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ مگر وہاں آپ کی طبیعت اکتا گئی اور آخر کار آپ کو حافظ حمید الدین کے پاس بھیجنا شروع کیا گیا۔ آپ نے کچھ ہی عرصہ میں چند درسی کتب پڑھ لیں مگر آپ نے لکھنے میں درجہ کمال حاصل کیا۔ خوش نویسی تو آپ کو ورثہ میں ملی تھی پورے مکتب میں آپ کی خوش خطی کی دھوم تھی خاص طور پر آپ اسمائے باری تعالیٰ بڑے ذوق و شوق سے لکھا کرتے تھے۔ اسم اللہ آپ لکھ کر چاروں طرف پھول بوٹے بناتے جو دیکھنے والوں کا دل موہ لیتے۔

روایت ہے کہ جب آپ مکتب میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو جب چھٹی ہوتی تو آپ اپنے ہم مکتب ساتھیوں کی طرح کھیل میں مشغول نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ خاموشی سے کسی کونے میں یا مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے اور زیر لب اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاتے۔

ایک روایت آپ کی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران کی اور بھی ملتی ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے استاد محترم آپ کو کلام اللہ شریف کا درس دیتے ہوئے کسی کام کی غرض سے مکتب سے باہر کہیں چلے گئے اور جب کچھ دیر کے بعد واپس آئے تو دیکھا کہ کلام اللہ شریف کے کچھ اوراق پانی سے بھیگے ہوئے ہیں انہوں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اوراق پانی سے نہیں بلکہ آپ کے

آنسوؤں سے بھیگے ہیں، انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد سے دریافت کیا کہ بیٹا کون سی آیت نے آپ کا دل گرفتہ کر دیا ہے جو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی ہے۔

استاد محترم بار بار یہی سوال دہراتے رہے مگر آپ بدستور خاموش ہی رہے۔ استاد محترم کو اپنے شاگرد رشید کی ذہنی اور ان کی روحانی طاقتوں کا اندازہ تو تھا ہی مگر انہوں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کون سی آیت ہے جس نے آپ کو بے کل کر دیا ہے ذرا سختی سے دریافت کیا۔ ابھی تک تو آپ سر جھکائے بیٹھے تھے اور استاد محترم کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہے تھے مگر جب استاد محترم نے سختی سے یہ بات کہی کہ آپ کے اس طرح رونے سے کلام اللہ شریف کے تمام اوراق ہی ضائع ہو جائیں گے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس دور میں تمام تر کلام اللہ شریف ہاتھ سے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ بات سن کر آپ نے یکبارگی جو اپنا سر اٹھایا تو آپ کی آنکھوں میں جلال دیکھ کر استاد محترم بھی گھبرا گئے اور خاموشی کے ساتھ مکتب سے باہر چلے گئے۔

عہد جوانی

ابھی تک تو ہم بات کر رہے تھے کہ آپ کا بچپن کسی طرح گزرا مگر ہم بات کریں گے کہ آپ کا عہد جوانی کیسا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عہد جوانی عہد طفولیت سے چنداں مختلف نہ تھا۔ اس دور میں یہ اضافہ ضرور ہوا کہ آپ پر جنون اور محویت کا عالم بہت زیادہ ہو گیا۔ اسی کیفیت میں آپ قبرستان میں چلے جاتے اور وہیں سو رہتے۔ اکثر آپ گھر سے باہر ہی رہتے۔ جس کی وجہ سے لوگ آپ کو ''سائیں لوک'' یا اللہ ''لوک'' کہہ کر پکارتے۔ آپ بالکل جوانی میں کسی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر گم سم گھومتے رہتے۔

ایک روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ مسجد کے دروازے پر

کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ میاں جی! گھر میں ہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ آپ نے جب بار بار اسی کی تکرار کی تو مسجد میں موجود لوگ جمع ہو گئے اور مسجد سے باہر والے بھی جمع ہو گئے۔ سبھی لوگ آپ کے خانوادے سے اچھی طرح واقف تھے۔ لوگوں نے آپ کا مذاق اڑانا مناسب نہ سمجھا بلکہ کسی نے آپ سے کہا کہ بھائی مسجد کا دروازہ تو کھلا ہے آپ اندر جاسکتے ہیں۔ آپ نے بڑی متانت سے جواب دیا کہ میاں صاحب شریعت کا حکم ہے کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اندر نہیں جانا چاہیے۔ کچھ دیر یہی کیفیت رہی پھر آپ مسجد کے اندر چلے گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک عرصہ آپ کا یہ معمول رہا کہ آپ نماز عشاء تو شرقپور میں باجماعت ادا فرماتے مگر اس کے بعد آپ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دینے کے لئے لاہور کی طرف چل پڑتے۔ فجر کی نماز آپ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں ادا فرماتے اور پھر صبح سویرے شرقپور کی طرف روانہ ہو جاتے۔ روایات میں یہ بات درج نہیں ہے کہ آپ لاہور پیدل تشریف لاتے تھے یا کسی سواری پر۔ مگر چونکہ آپ ایک آسودہ حال خاندان کے فرد تھے چنانچہ یہ خیال زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے کہ آپ کسی سواری پر ہی آتے جاتے ہوں گے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ جوانی میں حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کی پیروی کیا کرتے تھے۔ آپ حد درجہ شرمیلے اور باحیا تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے جسم مبارک کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے اکثر دیکھا گیا کہ آپ خواتین سے بھی پردہ فرماتے تھے۔ آپ جب اپنے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو خواتین کو دیکھ کر آپ اپنے چہرے کو چھپا لیتے یا چہرے پر کپڑا وغیرہ ڈال لیا کرتے تھے۔ آپ کے اس رویے پر خواتین نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا بعض اوقات تو یہ بھی ہوا کہ خواتین نے یہ بھی کہہ دیا کہ میاں عزیز کے گھر

لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ وہ یہ کہہ کر زور سے ہنس دیا کرتیں۔

یہ وہ دور تھا کہ جب شرقپور شریف میں آبادی برائے نام تھی اور مرد حضرات جب کام کاج پر یا کھیتی باڑی کی غرض سے کھیتوں پر چلے جاتے تو خواتین عام طور پر اپنے گھروں کے باہر ہی بیٹھ جایا کرتی تھیں، شرم و حیا تھی اور سب ایک دوسرے کا احترام کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ اسی لئے جب آپ کسی ایسی گلی سے گزرتے تو اپنا چہرہ ڈھانپ لیتے تھے۔ ان سب باتوں کی خبر جب آپ کی والدہ صاحبہ کو ملی تو انہوں نے ہنستے ہوئے آپ سے پوچھا کہ ''بیٹا! بھلا خواتین سے پردہ کیسا، پردہ تو خواتین کو کرنا چاہیے۔''

یہ سن کر آپ نے جواب دیا کہ ''پیاری امی جان! اب بھلا میں کیا عرض کروں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ پردہ تو خواتین کو کرنا چاہیئے تو آپ ان خواتین کو کیوں نہیں سمجھاتیں کہ یہ اس طرح کھلے عام بے پردہ نہ بیٹھا کریں۔ یہ طریقہ تو شریعت میں بالکل بھی جائز نہیں ہے۔ ان کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر مجھے تو بڑی شرم آتی ہے چونکہ وہ پردہ نہیں کرتیں اس لئے میں ہی پردہ کر لیتا ہوں۔''

آپ کا یہ جواب جلد ہی پورے شرقپور میں مشہور ہوگیا۔ چنانچہ فوری طور پر خواتین نے کھلے عام اپنے گھروں کے باہر بیٹھنا چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ آپ کی اوائل جوانی کا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے شروع ہی سے لوگوں کی توجہ شریعت کی جانب مبذول کروانی شروع کر دی تھی۔

حلیہ مبارک

اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپور رحمتہ اللہ علیہ کا قد درمیانہ، چہرہ گول، پیشانی کشادہ، ناک تلوار کی مانند سیدھی، آنکھیں نہ چھوٹی نہ بڑی ہر وقت سرخ، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ہمہ وقت اللہ کے حضور میں حاضر ہیں۔ گھنی، داڑھی میں کوئی کوئی بال سفید تھا اور مونچھیں شریعت کے مطابق تراشی

ہوئی تھیں۔ آپ کے دانت مبارک موتیوں کی طرح سفید تھے جن میں تھوڑا تھوڑا خلا بھی تھا۔ آپؒ کا سر بڑا اس پر گھنگریالے بال کانوں تک کبھی کبھار سنت کے مطابق گردن تک۔ چوڑا سینہ، بھرے بھرے بازو، انگلیاں لمبی اور ان کے درمیان درزیں، پاؤں کا ناپ پندراں انگشت۔ چلنے میں بہت تیز۔

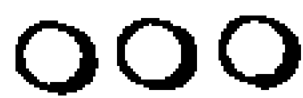
لباس

آپ ہمیشہ سفید رنگ کا لباس زیب تن فرمایا کرتے۔ سر پر کبھی کپڑے اور کبھی نواڑ کی ٹوپی پہن کر اوپر عمامہ باندھتے۔ گلے میں سفید دیسی طرز کا کھلی بانہوں کا کرتا نہ لمبا نہ چھوٹا تقریباً سترہ اٹھارہ گرہ لمبا جس کا گریبان سامنے ہوتا۔ آپ فرماتے تھے کہ لمبا کرتا پہن کر لوگ فقیر کہلاتے ہیں اور چھوٹا کرتا دنیا دار پہنتے ہیں۔ سفید کرتے کے ساتھ سفید تہہ بند ناف کے اوپر باندھتے جو کہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رہتا۔ کبھی کبھی آپ نیم بادامی رنگ کی صدری یا اچکن کی طرح کا لمبا کوٹ بھی کرتے کے اوپر پہن لیا کرتے تھے۔

آپ کے پاؤں مبارک میں زرد رنگ کی جوتی ہوتی اور سردیوں میں عموماً چمڑے کے موزے بھی پہنتے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق زرد رنگ کی جوتی پہننا مستحب ہے۔ کالے اور سرخ رنگ کے لباس اور جوتوں کے پہننے پر ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ کے کاندھوں پر دو لمبے رومال ہوتے۔ ایک سے آپ ہاتھ منہ پونچھا کرتے اور دوسرے سے آپ مسجد میں داخل ہونے کے وقت اور مسجد سے باہر آتے وقت اپنے ہاتھ پاؤں صاف کرتے اور فرماتے تھے ''میں نہیں چاہتا کہ باہر سے آتے ہوئے پاؤں سے لگی ہوئی مٹی مسجد کے اندر جائے اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ مسجد کی مٹی میرے جوتوں میں آئے۔'' یہ سب کچھ احترام مسجد کے لئے تھا۔ آپ انگریز طرز کے لباس کو برا سمجھتے اور پہننے سے منع فرماتے تھے ایک دفعہ ایک افسر ملنے کیلئے آئے تو آپ نے ان کی قمیص کے کالر پکڑ کر فرمایا۔ ''کیا یہ دودھ دیتے ہیں تم تو اپنا مشرب بالکل بھول گئے ہو۔''

آپ کا ہر فعل اور قول شریعت کے مطابق ہوتا تھا۔ آپ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں شریعت مصطفیٰ ﷺ کو پیش نظر رکھتے اور سنت حضور اکرم ﷺ کو مقدم سمجھتے۔ لباس کے معاملہ میں بھی آپ کا یہی نصب العین تھا اسلامی شریعت اور سنت نبوی کے مطابق لباس پہنتے اور اسی کے مطابق دوسروں کو پہنے ہوئے دیکھنے کی آرزو کرتے۔ آپ سرکار مدینہ ﷺ کی سنت کے بڑے دلدادہ تھے۔ آگے آنے والے واقعہ سے قارئین اندازہ کرلیں گے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو لباس پہننے میں سنت نبوی کا کتنا خیال تھا۔

آپ کو گرمیوں میں بھی دو کرتوں میں ملبوس دیکھا گیا تو بعض احباب کو جستجو ہوئی کہ گرمیوں میں دو کرتے پہننے میں کیا حکمت ہے۔ آپ نے دوستوں کی دلی کیفیت کو نور باطن سے دیکھا اور فرمایا ''حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فدائی ابی وامی نے فرمایا ہے کہ ایک آخری زمانہ ایسا آئے گا کہ اس وقت جو میری چھوٹی سی سنت کی بھی پیروی کرے گا وہ میرے ساتھ اس طرح رہے گا جس طرح میرے ساتھ میرا نچلا کرتا۔'' آپ نے فرمایا کہ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو کرتے اکٹھے پہنے ہیں۔ اس لئے میں بھی سنت کی پیروی کے لئے دو کرتے پہن لیا کرتا ہوں، سبحان اللہ! حضور ﷺ کی سنت سے کیسا پیار اور سنت کی پیروی کا کتنا شوق اور دھیان۔ یہی تو بات تھی کہ سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں اسوہ حسنہ کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ کوئی کیا کرسکے گا۔ آپکی ہر ادا سرکار کے فرمان کی ترجمان۔ آپکا ہر فعل سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق اور آپ کا ہر قول حضور ﷺ کے احکام کے تابع۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے کسی کونے کو بھی جانچیئے شریعت اور سنت کے عین مطابق نظر آئے گا۔



حصولِ فیض

زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق کوئی بھی شخص جان سکتا ہے کہ کسی بھی کام کے حصول کے لئے کسی ماہر استاد کا ہونا بہت ضروری ہے جو اس کو فن سکھلا سکے اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کر سکے۔ روحانی سلسلے میں اس کے لئے پیر کامل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ پیر کامل کے بغیر کوئی بھی ولی درجہ ولایت پر فائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا دشوار گزار اور کٹھن راستہ ہے کہ قدم قدم پر درست رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اولیائے عظام کی مقدس زندگیوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات تو اولیائے کرام نے تلاش مرشد میں سالوں شہروں اور دیہاتوں کی سیاحت کی جس کے بعد انہیں مرشد کی قدم بوسی نصیب ہوئی۔ حضرت سیدنا و مرشدنا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمتہ کی زندگی کے کئی برس تلاش مرشد میں صرف ہوئے تھے انہیں جب مرشد کی صورت نظر آئی تو مرشد نے طویل سیاحت کا ارشاد فرمایا تھا۔ یہ طویل سیاحت کئی برسوں پر محیط تھی۔ پھر کہیں آپ کو مرشد کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

بیعت مرشد

بات دراصل یہ ہے کہ جس کسی کو مرشد کامل مل جائے اس کو اس روحانی سلسلے میں ایک طرح سے کامل سکون میسر آجاتا ہے۔ کچھ یہی حال ایک وقت میں حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کا بھی تھا۔ دور دور تک آپ کی کشف و کرامات کا چرچا تھا۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ کا فیض روحانی جاری تھا۔ ایسے میں آپ خود ایک بلند مقام پر فائز دکھائی دیتے تھے بھلا آپ کو بیعت کون کرتا۔ ان حالات کے متعلق ایک روایت ''حدیث دلبراں'' میں کچھ یوں درج ہے۔ حاجی فضل احمد مونگہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

''بقول والد صاحب' سرکار میاں صاحب علیہ الرحمتہ اللہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بیعت کرنے کے لئے 39 اولیائے کرام ہماری مسجد میں تشریف لائے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ جوان میرے سلسلے میں داخل ہو۔ مگر کسی سے بھی یہ نہ ہوسکا۔ انہی دنوں حضرت خواجہ میر صادق علی شاہ صاحب مکان شریف والے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں ایک دن مسجد کی محراب میں محو خیال تھا اور مجھ پر رقت طاری تھی۔ ایسے میں آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کی ٹھنڈک میرے پاؤں کے تلوؤں تک محسوس ہوئی۔''

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ ''کبھی کبھی پہلے بھی بابا امیر الدین صاحب علیہ الرحمتہ شرقپور تشریف لایا کرتے تھے۔ میر صادق علی شاہ صاحبؒ کی آمد کے کچھ عرصہ بعد تشریف لائے اور مجھے بلوایا۔ جب میں حاضر ہوا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور اپنے سلسلے میں داخل کر لیا۔ مجھے اپنے جد امجد بابا غلام رسول علیہ الرحمتہ کا فیض قادری حاصل تھا۔ لیکن حضرت خواجہ امام علی شاہ علیہ الرحمتہ کی نسبت مجھے کھینچ کر ادھر لے گئی۔''

آپ کے پیرو مرشد ضلع شیخوپورہ کے کوٹلہ پنجوبیگ میں قیام پذیر تھے

بیعت کے بعد آپ کا یہ معمول بن گیا کہ آپ اپنے پیر مرشد کے پاس حاضر ہونے کے لئے اکثر کوٹلہ تشریف لے جاتے اور فیض روحانی حاصل کرتے۔ حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ پر چونکہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ رحمتہ اللہ کی نسبت غالب تھی چنانچہ آپ اکثر اپنے پیرو مرشد کے ہمراہ مکان شریف بھی لے جایا کرتے۔

مکان شریف دراصل ضلع گرداسپور کی ایک بستی (ترچھڑ) کے قریب ایک آبادی تھی۔ یہاں حضرت خواجہ امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مسکن تھا اور اسی جگہ حضرت حاجی شاہ حسین علیہ الرحمتہ کی آرام گاہ بھی تھی۔ درحقیقت مکان شریف شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے داد پیر کا مسکن تھا۔ اسی لئے مکان شریف سے آپ کو بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ بیعت ہونے کے فوراً بعد ہی آپ نے اپنے پیرو مرشد کے ہمراہ وہاں جانا شروع کر دیا تھا۔ مکان شریف میں آپ کی تشریف آوری صرف عرس کے موقع پر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کیونکہ عرس مبارک پر تو آپ ہر برس اپنے عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد کے ہمراہ جایا کرتے تھے مگر اس کے علاوہ بھی آپ سال میں دو تین بار ضرور جایا کرتے تھے۔ اب آپ خود خیال فرمائیں کہ شرقپور شریف سے گرداسپور کا فاصلہ آج سے 70,60 برس پہلے کس قدر دشوار گزار ہوتا ہوگا۔ مگر آپ حصول فیض کے لئے انتہائی دشوار گزار اور طویل سفر کو بھی خوشی خوشی طے فرمایا کرتے تھے۔

روایت ہے کہ ان دنوں درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین میر بارک اللہ صاحب تھے۔ میر صاحب اور صاحبزادگان آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ مگر آپ ان سے عقیدت رکھتے اور پیروں جیسا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال بھی ملتی ہے کہ آپ عرس مبارک کے موقع پر ختم شریف میں جب تشریف لے جاتے آپ کبھی صاحبزادوں کے درمیان میں نہیں بیٹھا کرتے تھے کہ مبادہ کوئی بات مرشد کامل کے صاحبزادوں کی شان کے خلاف نہ ہو جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ میر بارک اللہ اور صاجبزادگان آپ کی از حد تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ مگر آپ اپنے شیخ کی نسبت سے ان کی بہت ہی زیادہ تعظیم کرتے اور یوں دکھائی دیتا جیسے یہی لوگ آپ کے پیر ہیں۔

مکان شریف سے آپ کی وجہ حضرت خواجہ امام علیشاہ رحمتہ اللہ علیہ بھورے والی سرکار کی شخصیت تھی۔ روایت ہے کہ مکان شریف کے عام باشندگان تو ایک طرف آپ کو وہاں کے درودیوار سے بھی بے حد پیار تھا۔ جتنے بھی دن آپ کا قیام مکان شریف میں رہتا آپ اکثر گاؤں سے باہر تشریف لے جاتے اور کسی بوڑھے شخص کو تلاش کرتے کوئی بوڑھا شخص مل جاتا تو آپ اس سے پوچھتے کہ کیا اس نے خواجہ صاحب کی زیارت کی ہوئی ہے اور اگر کوئی ایسا مل جاتا تو دیکھنے والا دیکھتا کہ آپ اس کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتے کہ اس پر آپ کے پیر ہونے کا شک ہوتا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے اسی مقصد کے لئے گاؤں سے باہر گھوم رہے تھے کہ آپ کو ایک عمر رسیدہ سکھ کھیتوں میں کام کرتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے اس سکھ سے فرمایا کہ کیا آپ نے خواجہ صاحب کو دیکھا ہے؟" اس نے فوراً جواب دیا "ہاں جی! کئی مرتبہ زیارت کی تھی، یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ آپ اس کے سامنے فوراً دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ سکھ بھی اپنا ہل چھوڑ کر آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا مگر آپ نے جلدی سے اس کی آنکھوں کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا "مبارک ہیں یہ آنکھیں کہ جنہوں نے خواجہ صاحب کی زیارت کی ہے۔"

کچھ دیر کے بعد سکھ نے بتانا شروع کیا کہ "میں اپنے باپ کے ہمراہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور میرا باپ کہا کرتا تھا کہ جب تک ہم کھلیانوں سے فصل اٹھا نہیں لیتے تھے تو کوئی جانور زمین پر گرا ہوا دانہ نہیں اٹھاتا تھا جب تک خواجہ صاحب حکم نہ فرماتے تھے اور جب مکان شریف کی

زمین سے کوئی ڈھیلا اٹھاتے تھے تو اس میں سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی تھی بچپنے میں خواجہ صاحب نے میری کمر پر بھی ہاتھ پھیرا تھا'' آپ دلی طور پر خوش ہو کر وہاں سے واپس آئے۔

روایت ہے کہ مکان شریف میں قیام کے دوران آپ کا معمول ہوتا تھا کہ آپ اکثر رات کے وقت جبکہ چاند خوب چمک رہا ہوتا اور چاندنی ہر سو پھیلی ہوتی تو آپ گھنٹوں روضہ مبارک کی طرف رخ کر کے بیٹھے رہتے اور اس دوران آپ اکثر زیرِ لب فرماتے تھے۔

''خواجہ صاحبؒ کا فیض آرہا ہے، خواجہ صاحبؒ کا فیض آرہا ہے۔''

ایک مرتبہ بابا صاحب نے میر صادق علی شاہؒ کی خدمت میں حضرتؒ کو پیش کیا تو میر صاحب نے مسکرا کر ارشاد فرمایا اور بابا جی! لڑکا تو آپ خوب لائے ہو، اس کی استعداد بہت ہے اور اڑ جانے والا ہے، ظاہری علم کی کم ہے مگر خیر! کوئی بات نہیں وہ بھی بہت ہو جائے گا۔'' اس روز کے بعد بابا صاحب سے حضرت شیر ربانیؒ کی نسبت کا یہ عالم ہو گیا کہ جب کبھی آپ کو رات کے وقت بابا صاحب یاد فرماتے تو آپ اسی وقت پیدل روانہ ہو جاتے۔ صبح کی روشنی میں لوگوں کو معلوم ہوتا کہ بے تحاشا سانپ آپ کے قدموں تلے کچلے جا چکے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ آپ اپنے مرشد پاک کے پاس کوٹلہ شریف حاضر تھے۔ دونوں بزرگ ہستیاں غسل کی خاطر تالاب پر گئیے غسل کے دوران ہی کنویں کی چرخی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ آپ کو تالاب میں ہی وجد آ لیا اسی طرح دیکھا گیا تھا کہ مرغ کی آواز سنائی دی۔ آپ کو تالاب میں ہی وجد آ گیا اسی طرح دیکھا گیا تھا کہ مرغ کی آواز پر بھی آپ کو وجد آ جاتا۔ مگر زیادہ شدت سے آپ کو وجد تلاوت قرآن یا نعت شریف سن کر آتا تھا۔ ایسے موقع پر بابا صاحب فرماتے کہ ''میرے عزیز کو پکڑو، میرے عزیز کو پکڑو'' جب کنویں کی

چرخی کی آواز سن کر آپ کو وجد آ گیا تو آپ کو پکڑنے کے لئے لوگ دوڑے مگر آپ ان کے ہاتھ نہیں آئے آپ زور زور سے اللہ اللہ کا نعرہ لگا رہے تھے۔ آپ جیتنے دن بھی کوٹلہ حاضر رہتے بابا صاحب کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے اور اکثر چکی پیستے رہتے۔

ایک روایت میں کچھ اس طرح آتا ہے کہ حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کے پاس آپ کے پیرو مرشد کئی کئی ماہ قیام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیر ربانی کوئی معمولی شخصیت تو تھے نہیں آپ خاندانی طور پر زمیندار تھے اور روپے پیسے کی آپ کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ اسی لئے مرشد کامل کو یہ یقین تھا کہ وہ کسی عام مرید کے پاس نہیں جا رہے جو انہیں کسی بھی صورت میں بوجھ تصور کرے گا۔ آپ کے پیرو مرشد شب بیدار بزرگ تھے۔ آپ کو صرف چائے کا شوق تھا۔ جس کے لئے آپ نے ایک سماوار اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس میں ہر وقت چائے گرم رہا کرتی تھی۔

ایک رات یوں ہوا کہ بارش برسنا شروع ہوگئی۔ موسم سردیوں کا تھا۔ جیسے جیسے سرد ہوا چلتی گئی سماوار میں چائے ٹھنڈی ہوتی گئی۔ یاد رہے کہ سماوار پرانے زمانے میں ایک برتن ہوا کرتا تھا کہ جس کے دو حصے ہوتے تھے۔ اوپر والے حصے میں تو دودھ یا پانی ہوتا تھا جبکہ نیچے والے حصے میں کوئلے یا لکڑی سلگائی جاتی تھی۔ اب ہوا یہ کہ سماوار میں سلگانے کے لئے نہ تو کوئلہ رہا اور نہ ہی لکڑی۔ دوسرے یہ کہ آدمی رات کے وقت اور موسم بھی بارش والا۔ اگر کوئی لکڑی اس کے نیچے سلگائی جاتی تو وہ یقینی طور پر نہ جلتی بلکہ اچھا خاصا دھواں بھی دیتی۔ جس سے لازمی طور پر مرشد کامل کی عبادت میں فرق پڑتا۔

جب آپ کے پیرو مرشد نے چائے طلب کی تو آپ نے جلدی سے اپنی دستار پھاڑی اور اس سے چائے گرم کر کے پیرو مرشد کی خدمت میں پیش کیا۔

کچھ دیر کے بعد مرشد پاک نے پھر چائے طلب کی تو آپ نے اپنا کرتا اتارا اور چائے گرم کر کے پیش کی۔ اب تیسری مرتبہ جو چائے طلب کی گئی تو آپ نے اپنا تہہ بند اتارا اور اس سے چائے گرم کر کے پیش کی۔ مگر اس مرتبہ آپ نے چائے پیش کرنے کے لئے بابا صاحب کے خادم خاص محمد دین صاحب کو زحمت دی۔

آپ کے پیرو مرشد نے دریافت کیا کہ محمد دین! آج چائے کس نے بنائی ہے آج تو اس کا مزہ بھی کچھ اور ہے اور اس کا رنگ بھی کچھ اور ہے۔ دین محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضور آج تو آپ کے مرید خاص شیر محمد صاحب نے چائے بنائی ہے۔ مرشد نے حکم دیا کہ ذرا شیر محمد کو بلا کر تو لاؤ" دین محمد صاحب نے عرض کیا کہ "حضور! انہوں نے چائے گرم رکھنے کے لئے اپنے تمام کپڑے اور دستار بھی جلا ڈالی تھی۔" اب وہ صف میں لپٹے ہوئے صحن میں لیٹے ہوئے ہیں۔

آپ کے مرشد پاک نے جب یہ سنا تو آپ نے فرط محبت سے صحن کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ آپ ابھی صف میں ہی تھے کہ مرشد نے آپ کو اپنے سینے سے ساتھ لگا لیا اور فرمایا تم تو میاں صاحب ہو، میاں صاحب" اس کا یہ مطلب ہوا کہ میاں صاحب کا لقب آپ کو اپنے مرشد کی طرف سے عطا ہوا تھا اور اسی لقب کو آپ کے نام کے ساتھ مستقل طور پر سبھی نے قبول کیا اور آج ہر خاص و عام آپ کو اسی نام سے یاد کرتا ہے۔

یہ تو تھی حضرت شیر ربانی کی عقیدت دوسری طرف آپ کے پیرو مرشد بھی آپ کے ساتھ بہت محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیر ربانی نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ مین بابا صاحب کے سینہ پر پڑا ہوا تھا کہ بابا صاحب نے فرمایا "قیامت کا دن ہوگا مولا عزوجل پوچھیں گے امیر الدین! دنیا میں میں نے تجھے بھیجا تھا وہاں کیا کچھ کیا ہے اور

آخرت کے لئے کیا لایا ہے تو جواب دوں گا میرے آقا! دنیا میں غفلت ہی رہی، کچھ نہ کرسکا صرف ایک کمائی کی ہے اور میاں صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مالک ذوالجلال کے حضور پیش کر دوں گا اور کہوں گا کہ اے الہ العالمین اس بچھڑے کی طفیل مجھے بخشش دے"۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ جمعتہ المبارک کا روز تھا اور آپ کے پیرو مرشد آپ کے ہاں قیام پذیر تھے۔ آپ کا قیام مسجد کی چھت پر ایک حجرہ میں ہوتا تھا۔ جمعتہ المبارک کی اذان ہوچکی تھی۔ نماز کے لئے جب شیر ربانی علیہ الرحمتہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ پیرو مرشد ابھی تک حجرہ میں ہی موجود ہیں آپ نے پیرومرشد کی خدمت میں سلام عرض کیا اور عرض کیا کہ "حضور! جمعہ کے لئے اذان ہو چکی ہے اور آپ ابھی تک حجرہ میں ہی تشریف فرما ہیں اس عالم میں ہم مریدین کہاں جائیں"۔

اللہ اللہ! کیسا مرید ہے اور کیسا مرشد ہے۔ وہ لوگ جو خود کو مرشد بھی کہلواتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دل میں نماز ادا کرتے ہیں اور ہماری نمازیں تو کعبہ میں ہوتی ہیں جن کو تم لوگ دیکھ نہیں سکتے ہو۔ ایسے مرشدوں کو یہ بات ضرور بتانی چاہئے کہ شیر ربانی نے جب اپنے مرشد کو یہ کہا کہ حضور نماز جمعہ کی اذان ہو چکی ہے اور آپ ابھی تک حجرہ میں ہیں تو آپ کے مرشد نے ارشاد فرمایا کہ "بیٹا! آج کے بعد اذان ہو چکنے کے بعد مجھے حجرہ میں بیٹھا ہوا نہیں پاؤ گے سب سے پہلی صف میں جا کر بیٹھا کروں گا"۔

ایک روایت میں حاجی فضل احمد مونگہ صاحب کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "والد صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "ایک دفعہ میں حسب معمول لاہور جا رہا تھا سردی انتہا پر تھی بارش اور آندھی کا طوفان زوروں پر تھا بجلی کڑک رہی تھی اور اولے بھی شدت سے پڑ رہے تھے۔ میری طبیعت نے آج جانے سے کچھ گریز کیا۔ میں نے اپنے آپ

کو سنبھالا اور کہا کہ شائد آج میری آزمائش کا دن ہے۔"

آپ ارشاد فرماتے ہیں "اس روز مجھے سوہنی کا قصہ یاد آیا۔ جب میں موضع ٹھیکری والا کے قریب پہنچا تو بجلی زور سے کڑک کر گری اور ہوا کا شور بڑھ گیا۔ سڑک پر درخت گرنے لگے۔ سڑک بے آباد تھی۔ میں ڈر کے مارے سڑک سے باہر نکل گیا۔ غائب سے آواز آئی کہ ابھی تک تمہیں اپنی جان پیاری ہے۔ یہ سن کر میں دوڑ کر دوبارہ سڑک پر آ گیا۔ بجلی پھر کڑکی میں پھر سڑک سے باہر چلا گیا۔ غائب سے پھر آواز آئی تیسری بار پھر یہی ہوا۔ مجھے اس کے بعد ہوش نہیں رہا کہ کس طرح میں گھر پہنچا اور کون مجھے گھر لے کر آیا۔

مجھے چارپائی پر لٹاتے تو میں نیچے گر جاتا۔ ایک ہفتہ اسی طرح حالت رہی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کوئی مجھے اٹھا کر بٹھا رہا ہے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت سرکار بغداد رحمۃ اللہ تشریف فرما ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور فرمایا "سنبھلو اور ہوشیار ہو جاؤ۔ تم سے کام لینا ہے۔ اس کے بعد میرا ہاتھ سرکار بغدادؒ کے ہاتھ میں دے دیا۔"

اس واقعہ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو فیض صرف اپنے مرشد پاک سے نہیں بلکہ اعلیٰ ترین ہستیوں سے بھی حاصل ہوا تھا۔

خلافت مرشد

جیسا کہ حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری علیہ الرحمۃ مادر زاد ولی کامل تھے۔ آپ کو ملنے والی ولایت فطری تھی اور عطائے رب کریم تھی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ درویشوں کی پیشنگوئیاں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ان کا کہنا تھا کہ یہ بچہ ولی ہے۔ مگر اس کے باوجود کسی شیخ کی ضرورت تو تھی۔ جو آپ کی صلاحیتوں کو نمایاں کرے اور آپ

کی رہنمائی بھی کرے اور ہوا بھی یہی حضرت خواجہ امیر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی صلاحیتوں کو خوب خوب اجاگر کیا پھر آپ کی عبادت و ریاضت اور اشغال سلسلہ نے آپ کے دل کے روشن چراغ کو جلا بخشی اور اس کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر چہار سو پھیلنے لگیں۔ فیض مرشد تھا کہ آپ نے بہت جلد شغل اسم ذات حبس دم، مراقبہ نفی اثبات اور دوسرے روحانی اشغال میں درجہ کمال حاصل کر لیا۔ اس کے بعد مرشد کامل نے لطائف کی منازل طے کروانا شروع کیں۔

مفتاح اللطائف میں رقم ہے کہ سالک کی سات منازل ہوتی ہیں ارواح بھی سات انسانی وجود میں نفس بھی سات، جسم انسانی میں جواہر بھی سات، افلاک بھی سات، زمین کے طبقات بھی سات، اقالیم بھی سات، صفات ایمان بھی سات، شرائط ایمان بھی سات، اندام سجدہ بھی سات شریعت کے واجبات بھی سات، بیت اللہ کے طواف بھی سات، ولائتیں بھی سات اور سلسلہ نقشبندیہ بھی سات ہیں۔ یاد رہے کہ ان کے رنگ جدا جدا ہوتے ہیں۔ اب ہوتا یوں ہے کہ جو انسان جس منزل کو طے کرتا ہے وہ اسی رنگ کے نور کے اثرات اپنے دل پر پاتا ہے۔

یہ بات تحریر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان دنوں اسمائے ربانی خوبصورت انداز میں بنا کر مسجد میں آویزاں کیا کرتے تھے یہ سب قطعات خوبصورت مگر جدا جدا رنگوں میں ہوتے تھے یعنی جس جس رنگ کا نور آپ پر القا ہوتا آپ اسی رنگ میں اسمائے الٰہی کا ڈیزائن بناتے۔ اسی طرح آپ واحدانیت اور اللہ کریم کی تعریف پر مبنی اشعار بھی خوبصورت انداز میں تحریر فرماتے جو خطاطی کا اعلیٰ ترین نمونے ہوتے تھے۔

یہی وہ دور تھا کہ جب آپ گیارہویں شریف کا ختم مبارک نہایت ہی اہتمام کے ساتھ دلواتے تھے۔ آپ اپنی ذاتی توجہ سے قندیلیں تیار کرواتے

اور ان کو مسجد میں مناسب جگہوں پر اپنی نگرانی میں آویزاں کرواتے۔ اسی طرح آپ اپنے اشعار اور قطعات بھی مناسب جگہوں پر آویزاں فرماتے ہیں یہ سب کام آپ کسی کی بھی نگرانی میں نہیں دیا کرتے تھے حالانکہ عقیدت مندوں اور عزیزوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہوا کرتی تھی۔ ان محافل میں عام طور پر بابا امام دین زرگر، حاجی نور دین مونگہ، امام دین سرمہ اور میاں غلام محمد کنی باف نعت خوانی کیا کرتے تھے جن کا اس زمانے میں بہت شہرہ ہوا کرتا تھا۔

روایت ہے کہ جب نعت خوانی ہوتی تو آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی اور اکثر اوقات قندیلیں ٹوٹ جاتیں اور اس وجہ سے صفوں کو بھی اور چادروں کو بھی آگ لگ جاتی۔ بعض دفعہ تو آپ کو معمولی نوعیت کے زخم بھی آجاتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق عام نعت خوانی کے بعد ایک خاص محفل نعت بھی ہوا کرتی تھی جس میں آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک اشعار میں پڑھا جاتا تھا اس دوران تمام حاضرین آنکھیں بند کر کے یہ اشعار سنا کرتے تھے۔ حاضرین کے مطابق اس وقت یوں محسوس ہوتا کہ جیسے آنحضرت ﷺ خود تشریف لائے ہیں اور ہم آپ کی زیارت کر رہے ہیں۔

حضرت شیر ربانی علیہ الرحمتہ کے ان شب و روز کو آپ کے مرشد کامل خواجہ امیر الدین علیہ الرحمتہ بھی بڑے غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے انہوں نے راہ سلوک کی منازل کو طے کرتے ہوئے یہ تو محسوس کر ہی لیا تھا کہ میر صادق علی شاہ کا وہ فرمان کس قدر درست ہے کہ یہ لڑکا تواڑنے والا ہے ان سب عوامل کے پیش نظر خواجہ امیر الدین علیہ الرحمتہ نے خلافت آپ کو عطا فرما کر یہ حکم دیا کہ آپ لوگوں کو تلقین و ارشاد فرمانا شروع کر دیں۔

خلافت کے بارے میں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ نے ایک مرتبہ

ارشاد فرمایا تھا کہ ”بابا صاحب نے مجھے کیا دیا۔ دہکتے ہوئے کوئلوں اور انگاروں کا ٹوکرا (یعنی بار خلافت) میرے سر پر رکھ دیا اور میں نے پاس ادب کی وجہ سے بے چون و چرا سر پر اٹھا لیا۔“

نسبت شیخ

حضرت میاں شیر ربانی علیہ الرحمتہ نے اگرچہ فیض حضرت خواجہ امیر الدین الرحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا مگر آپ نے اپنے مرشد پاک کی نسبت سے اپنے دادا پیر حضرت میر صادق علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت کی بھی انتہا کر دی۔ ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت میر صادق علی شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے (جو کہ حضرت خواجہ امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے) مولانا غلام نبی صاحب کو ایک گھوڑا جھنگ سے لانے کے لئے حکم دیا۔

شرقپور شریف چونکہ راستے میں پڑتا تھا چنانچہ مولانا غلام نبی صاحب نے یہاں بھی رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ شام کے وقت حضرت میاں صاحب کے پاس پہنچے۔ جب حضرت میاں صاحب کے ساتھ ملاقات ہوئی تو آپ نے نہایت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے فوری طور پر گھوڑے کے لئے دانے پانی کا انتظام بذات خود کیا اور مولانا کی خوب خاطر تواضع فرمائی۔ لوگ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ آپ مولانا کی خدمت کر کے کس قدر خوشی محسوس کر رہے ہیں۔

ان دونوں بزرگوں نے نماز عشاء ایک ساتھ ہی باجماعت ادا فرمائی۔ اب مولانا کو آپ نے فرمایا کہ آپ کافی دور سے سفر کر کے آ رہے ہیں۔ چنانچہ اب آپ آرام فرمائیں۔ مولانا کے لئے آپ نے بستر کا انتظام پہلے کر رکھا تھا۔ جب مولانا بستر پر دراز ہو گئے تو آپ نے مولانا کی ٹانگیں دبانا شروع کیں۔

مولانا صاحب آپ کے رتبے سے واقف تھے انہوں نے بہتر امنع کیا مگر آپ نے زبردستی اپنا کام جاری رکھا۔ اسی اثناء میں مولانا گہری نیند سو گئے۔ یہاں سے فراغت پا کر آپ نے اب گھوڑے کی جانب اپنا رخ کیا اور فجر کی نماز تک آپ گھوڑے کی مٹھیاں بھرتے رہے۔

فجر کے وقت جب مولانا صاحب نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے کمرے سے باہر مسجد کا رخ کیا تاکہ وضو کیا جاسکے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میاں صاحب قبلہ، گھوڑے کو مٹھیاں بھر رہے تھے آپ مبہوت ہو کر دیکھتے رہے۔ وہاں پر موجود لوگوں نے بتلایا کہ حضرت میاں صاحب تو ساری رات ہی گھوڑے کو مٹھیاں بھرتے رہے ہیں۔ یہ سن کر مولانا شدت جذبات سے آبدیدہ ہو گئے۔

نماز فجر کی ادائیگی کے ساتھ ہی مولانا نے اجازت چاہی کیونکہ ابھی سفر بہت زیادہ باقی تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا صاحب کو شرقپور شریف سے چار میل دور تک پیدل جا کر الوداع کہی اور کچھ رقم دیتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ رقم میر صادق علی شاہ صاحب قبلہ کو میری طرف سے پیش کیجئے گا اور میرا سلام عرض کیجئے گا۔ اس کے بعد میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں بڑی نوازش ہوگی۔''

جب مولانا غلام نبی صاحب مکان شریف پہنچے تو گھوڑا میر صادق علی شاہ صاحب کے حوالے کیا۔ مگر مولانا صاحب تو آپ کی خدمت میں کچھ اور ہی عرض کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بڑی بیقراری سے عرض کیا کہ ''حضور! تمام مریدین بڑے اخلاق اور تواضع سے پیش آئے مگر شرقپور کے میاں شیر محمد صاحب نے تو وہ خدمت کی کہ کیا کوئی دوسرا کرے گا اور میں نے تو یہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ انہوں نے میری خدمت کے ساتھ ساتھ گھوڑے کی بھی کمال درجہ کی خدمت کی۔ انہوں نے تمام رات گھوڑے کو مٹھیاں بھریں اور مجھے

رخصت کرنے کے لئے چار میل تک پیدل بھی آئے۔ انہوں نے یہ نذر بھی آپ کی خدمت میں بھیجی ہے اور دعا کی استدعا بھی کی ہے۔"

حضرت میر صادق علی شاہ صاحب، صاحب نظر بزرگ تھے، انہوں نے بڑے متاثر کن انداز میں ارشاد فرمایا "میاں صاحب نے مکان شریف کے گھوڑے کو مٹھیاں بھری ہیں۔ انہیں سارا جہاں مٹھیاں بھرے گا۔"

اس ایک جملے سے آپ بزرگوں کے طرز تخاطب پر غور فرمائیں۔ یہاں خود پسندی اور انا پرستی دکھائی نہیں دیتی وگرنہ میر صاحب فرماتے کہ میاں صاحب نے میرے گھوڑے کو مٹھیاں بھری ہیں بلکہ آپ نے فرمایا کہ مکان شریف کے گھوڑے کو مٹھیاں بھری ہیں۔ یہی وہ انکساری ہے کہ جو کسی بھی شخصیت کو بلند ترین مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

کلس کی مرمت

امام طریقت خواجہ امام علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے روضہ مبارک کے گنبد کا کلس ایک زلزلہ میں دوہرہ ہوگیا تھا اور گھڑیاں گر گئی تھیں۔ حضرت صاحب قبلہؒ کو اس کی مرمت کا بڑا خیال تھا۔ آپ جب بھی وہاں جاتے، حسرت بھری نظروں سے کلس کی طرف دیکھتے ہوئے فرماتے "کسی طرح ممکن ہو تو یہ کلس بنانا چاہئے۔" خواجہ صاحب کے روضہ شریف کی عمارت بادشاہی مسجد لاہور کے میناروں کی طرح بڑی اونچی ہے کئی میل دور سے ہی روضہ شریف نظر آتا ہے۔ سجادہ نشین صاحب نے بڑی کوشش کی کہ کلس بنوا دیا جائے لیکن جو معمار آکر دیکھتے بہت مشکل کام پا کر تیاری سے منہ پھیر جاتے۔

ایک دن میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف اپنی بیٹھک کی چھت پر بیٹھے حسب عادت روضہ شریف کی طرف دیکھ رہے تھے کہ آپ نے فرمایا "اچھا آئندہ کلس بننے کے بعد ہی آئیں گے۔"

چنانچہ آپ شرقپور شریف واپس تشریف لائے تو کچھ دن کے بعد آپ نے سلطان احمد معمار سکنہ چونیاں کو خط لکھا کہ تم جمعہ مکان شریف جا کر پڑھو۔" اور ایک چٹھی بابا عبداللہ گھڑی ساز کو فیروز پور چھاؤنی لکھی۔ ساتھ ہی بابا مستری کرم دین کو بھی وہاں بھیج دیا۔ نہ تو آپ نے سلطان احمد معمار اور بابا عبداللہ کو کام کے متعلق کچھ بتایا نہ ہی مستری کرم دین کو۔ جب یہ تینوں جمعہ کے روز مکان شریف اکٹھے ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیسے آنا ہوا۔ مگر کسی کو کیا معلوم؟ ان کو تو صرف یہ حکم تھا کہ مکان شریف پہنچو اور بس! دو تین دن کے قیام کے بعد ان تینوں کاریگروں کو جو نہ صرف مستری ہونے کے لحاظ سے ہم پیشہ تھے بلکہ استقلال سلسلہ میں بھی ساتھی تھے۔ خیال پیدا ہوا کہ روضہ شریف کے اوپر گنبد ہی کو دیکھیں اور تینوں دوست دو چار روز اوپر جا کر جہاں تک سیڑھیاں جاتی تھیں، گنبد کے اردگرد چکر لگاتے رہے۔ اچانک ایک دن گنبد پر ہتھوڑا چلاتے چلاتے ایک جگہ سے چونا گر پڑا اور نیچے سے "گو" کا سوراخ نکل آیا۔ انہوں نے مزید سوراخوں کے لئے کوشش شروع کر دی۔ آخر چاروں طرف مطلوبہ سوراخ پانے میں کامیاب ہو گئے۔

ان دنوں مکان شریف میں غالباً میر لطیف اللہ صاحب کا چہلم تھا۔ دور دور سے لوگ اس اس میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں لاہور سے شیخ شہاب الدین صاحب لوہاری منڈی والے اور حافظ حسین بخش صاحب المشہور رمث والے بھی آئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے مستری کرم دین اور ان کے ساتھیوں سے پوچھا "کیا آپ لوگ گنبد کا کلس بنوانے آئے ہو۔"

انہوں نے جواب دیا "ہمیں کوئی علم نہیں لیکن اگر حضرت صاحب قبلہ نے ہمیں کلس بنانے کے لئے بھیجا ہے تو ہم ان شاء اللہ العزیز بنا کر جائیں گے بصورت دیگر ہم مرکر یہاں دفن ہوں گے۔"

یہ سن کر شیخ شہاب الدین اور حافظ حسین بخش صاحبان جو کلس بنوانے کی پہلی کوششوں میں پیش پیش تھے کہنے لگے۔ ''یہاں بڑے بڑے سمجھدار کاریگر مستری اور انجینئر عاجز آ گئے ہیں۔ بھلا تم کیا کرو گے۔'' اور ساتھ ہی ایک چھٹی بڑے سخت الفاظ میں سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ کی خدمت میں تحریر کی جس میں لکھا تھا ''عقلمند اور سمجھدار ہوتے ہوئے آپ نے ایک جوتیاں بنانے والا، ایک گھڑیاں صحیح کرنے والا اور ایک پکی اینٹیں لگانے والے معمار کو خواجہ صاحب کے عظیم الشان روضہ کا کلس بنانے کے لئے بھیج دیا ہے؟ جہاں بڑے بڑے زیرک کاریگروں نے ہمت ہار دی ہو بھلا یہ کیا کریں گے۔''

حضرت میاں صاحب نے ان دونوں کو جواب لکھا ''کہ میں نے چاروں اطراف نظر دوڑائی ہے ان سے بہتر کلس بنانے والا میری نظر میں کوئی نہیں آیا۔ اگر میرے اللہ کو منظور ہوا تو انہی کے ہاتھوں بن جائے گا۔''

ساتھ ہی آپ مستری کرم دین اور ان کے ساتھیوں کو خط لکھتے رہے جن میں تحریر ہوتا ''کرم دین! مکان شریف نہ سمجھنا مدینہ شریف سمجھنا'' اس نامہ مبارک کے ملتے ہی ان کی طاقتیں پھر عود کر آتیں اور وہ تازہ دم ہو کر نئے ولولے اور شوق سے کام میں مصروف ہو جاتے۔

آخر کار مکمل سوراخ نکلنے کے بعد بابا کرم دین مستری (مرحوم) شرقپور شریف واپس آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں بعد از نماز مغرب حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ ''کرم دین تیرا راہ دیکھ دیاں میریاں اکھیاں تھک گیاں نیں سنا!''

انہوں نے عرض کی ''حضور! گنبد کے گرد ''گو'' کے سوراخ نکل آئے ہیں''
یہ سن کر آپ نے سربسجود ہو کر شکر ادا کیا اور فرمایا۔ ''صبح رقم لے جاؤ اور سامان لے کر ''گو'' باندھو۔''

دوسری صبح مستری صاحب امرتسر سے بانس رسے تختے اور دوسرا ضروری

سامان لے کر مکان شریف جا پہنچے "گو" باندھنے کے بعد مستری صاحب پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا "سرکار"! کلس کی سلاخ تک نہیں پہنچتی۔"

آپ نے ارشاد فرمایا "مار یا ہو یا!! کون سی مشکل بات ہے ایک لکڑی کا منبر بنا کر "گو" پر رکھ دو اور اس کی کمر سلاخ کے ساتھ لگا دو۔"

چنانچہ انہوں نے جا کر ایسا ہی کیا اور "گو" پورے طور پر مکمل ہوگئی۔

مستری صاحب پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "اب جاؤ اور کلس کے لئے گھڑیاں بنواؤ۔ اس پر سونا بھی لگوانا" چنانچہ مستری کرم دین صاحب امرتسر گئے اور گھڑیاں بنوا لائے۔ ان پر 32 تولہ سونا بھی لگوایا گیا تھا۔ گھڑیوں کی تیاری پر حضرت صاحب قبلہ میاں فتح اللہ ائل پوری کی کار پر چند احباب کے ہمراہ روانہ ہوئے اور امرتسر سے گھڑیاں لے کر مکان شریف جا پہنچے۔

جب کلس پر گھڑیاں لگانے لگے تو سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ حاجی دانیاں رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر جا بیٹھے۔ وہاں سے سیدھی نظر گنبد اقدس پر پڑتی ہے۔ آپ وہاں بیٹھے گھڑیاں لگنے کا منظر دیکھتے رہے گھڑیاں لگ جانے کے بعد آپ سے عرض کی گئی۔!

"حضور! کچھ تھوڑی سی لوہے کی سلاخ اوپر کھڑی کی کھڑی رہ گئی ہے۔"

آپ نے فرمایا۔ "کوئی ہے جو اس کو کاٹ دے" فتح محمد حکیم مراد آبادی نے عرض کی "سرکار! مجھے ارشاد ہو تو میں کاٹوں۔" آپ نے رضا مندی کا اظہار فرمایا۔

فتح محمد حکیم حکم پاتے ہی سلاخ کاٹنے دوڑے۔ جب وہ سلاخ کاٹ رہے تو نیچے لوگوں کی ٹولیاں کپڑوں کی جھولیاں بنائے حکیم صاحب کے گرنے کی منتظر تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ گنبد پہ سے حکیم فتح محمد ابھی زمیں پر آرہے گا۔

ادھر حضرت صاحب قبلہ حاجی دانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر سے ٹکٹکی باندھے سلاخ کٹتی دیکھ رہے تھے۔ جتنا عرصہ فتح محمد کاٹنے میں مصروف رہا۔ آپ بغیر آنکھ جھپکائے اس کی طرف نظریں جمائے رہے۔ آخر کچھ وقت کے بعد اس نے سلاخ کاٹ پھینکی۔ اور خیریت سے نیچے اتر آیا۔ کاس مکمل ہو جانے پر بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خاص طور پر حضرت صاحب قبلہ بڑے شاداں تھے۔ سب لوگ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران تھے کہ جہاں بڑے بڑے انجینئر سر پھوڑ کر رہ گئے تھے اور بڑے بڑے کاریگروں اور مستریوں نے ہمتیں ہار دیں وہاں حضرت صاحب قبلہ کے روحانی تصرف اور نظر عنایت سے یہ مشکل کام سرانجام پا گیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ مکان شریف جانے کی غرض سے لاہور پہنچے۔ اسٹیشن کی ڈیوڑھی پر ایک آدمی محمد امین جو آپ کے پاس آنے جانے والا تھا ملا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ ''مکان شریف'' اس نے عرض کی ''سرکار امرتسر جانے والی ٹرین تو روانہ ہو چکی ہے۔'' آپ نے فرمایا۔ ''گاڑیاں لیٹ بھی تو ہو جاتی ہیں وہ کہنے لگا، سرکار! میرے سامنے ابھی روانہ ہوئی ہے۔ آپ نے قدرے اونچی آواز سے فرمایا ''جا کے دیکھو تو سہی۔'' جب وہ پلیٹ فارم پر دیکھنے پہنچا تو گاڑی پلیٹ فارم پر واپس آتی نظر آئی وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ گارڈ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی لائن کیئر لینا مس ہو گیا تھا۔

روضہ شریف کے لئے غلاف

حدیث دلبراں میں حاجی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف عرس میں شمولیت کے لئے تیار ہوئے تو آپ نے ماسٹر غلام محمد کو بلا کر فرمایا ''دو غلاف'' بنانے ہیں اور ان پر

کچھ سلمہ بھی کرانا ہے" آپ نے اس غرض سے ماسٹر غلام محمد کو کچھ رقم بھی دی۔ وہ لاہور سے کپڑا اور سلمہ وغیرہ لے آئے اور چند دن میں ہی دو خوبصورت غلاف تیار کر دیئے دونوں غلاف لے کر آپ اپنے احباب کی معیت میں مکان شریف روانہ ہو گئے۔ جب آپ لاہور اسٹیشن پر پہنچے تو دیکھا کہ مکان شریف کے سجادہ نشین اور خواجہ امام علی شاہ صاحب کے پوتے میر بارک اللہ صاحب مع اپنے مریدین سٹیشن پر کھڑے ہیں اور ایک ریڑھی والے سے کچھ سودا خرید فرما رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احباب کو اشارے سے خاموش رہنے اور چل کر گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ تمام یاران طریقت مع حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چپ چاپ بٹالہ کے لئے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میر صاحب بھی اسی گاڑی سے ہی جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ قریباً تیس مریدین اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قریباً پچیس آدمی تھے، جب بٹالہ پہنچے اور گاڑی سے اترے تو سب اکٹھے ہو گئے۔ دونوں حضرت ایک دوسرے کا بڑا ادب کرتے تھے۔ سٹیشن سے باہر نکل کر ایک مسجد میں حضرت میاں قبلہ اور میر صاحب قبلہ دونوں مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھہر گئے۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد سے حاجی مستری کرم دین کو کھانا پکانے کا حکم دیا۔

چنانچہ والد صاحب بتاتے ہیں کہ وہ بھی مستری صاحب کے ہمراہ گئے۔ بازار سے آٹا اور گھی خرید کر اس میں نمک وغیرہ ملا لیا اور نانبائی سے روٹیاں لگوا کر لے آئے آپ نے اشارہ ہی سے فرمایا کہ میر صاحب کے آگے رکھ دو۔ دستر خوان جو کہ ہر سفر میں آپ کے پاس ہوتا تھا بچھا دیا گیا اور روٹیاں رکھ دی گئیں۔ دستر خوان کے ایک سرے پر حضرت صاحب قبلہ اور دوسرے پر میر صاحب قبلہ بیٹھ گئے۔ میر صاحب نے دو دو روٹیاں ہر ایک آدمی کے آگے رکھ دیں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کر دیا گیا۔

کھانا شروع ہوتے ہی لوگوں پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی کسی پر رقت طاری ہے تو کوئی بیہوش ہوا جا رہا ہے کسی کو وجد ہو رہا ہے تو کوئی تڑپ رہا ہے کوئی لقمہ اٹھا رہا ہے تو وہیں مست ہے کوئی بت کی طرح ساکت و خاموش ہے تو کوئی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ غرضیکہ کیف و سرور کا وہ عالم تھا کہ ہر ایک پر مستی وارفتگی چھائی جارہی تھی۔ قریباً آدھ گھنٹہ وجد آور کیف آگئیں منظر رہا اور ازاں بعد حضرت صاحب قبلہ نے سر اٹھایا اور دسترخوان لپیٹ لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ دستر خوان اٹھا لیا گیا اور تانگوں پر سوار ہو کر مکان شریف روانہ ہوگئے تمام راستہ ہمراہیوں پر بے خودی سی چھائی رہی ہر ایک کا قلب جاری تھا اور سب تصور اسم ذات میں محو تھے۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں مکان شریف پہنچ گئے۔

مکان شریف پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہ اپنی بیٹھک جو آپ نے خود ہی قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب کے پائینتی ہیں بنوائی ہوئی تھی میں چلے گئے اور میر صاحب اپنے مکان میں تشریف لے گئے دستر خوان میں لپٹی ہوئی روٹیوں کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ میر صاحب کی خدمت میں پہنچا دیں جائیں۔ جب میر صاحب کی خدمت میں روٹیاں حاضر کی گئیں تو وہ بے ساختہ رو دیئے اور اونچی آواز میں فرمانے لگے۔

''ارے جاؤ میاں صاحب سے یہ تو پوچھو کہ روٹیوں میں کیا ڈالا ہوا تھا۔ ارے وہ تو نور تھا نور۔'' وہی بچی ہوئی روٹیاں میر صاحب نے اپنے ملنے والوں کو دیتے ہوئے فرمایا ''لو میاں! یہ تو نور کی روٹیاں ہیں۔'' جس نے بھی ان روٹیوں کا ٹکرا کھایا۔ اس پر وہی کیفیت طاری ہوگئی۔

بیٹھک میں تھوڑے سے قیام کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ''بھورے شریف، حاجی شاہ حسین صاحب قدس سرۃ، العزیز کی حاضری کے لئے تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے وہ ''غلاف'' جو آپ شرقپور شریف سے بنوا کر لائے تھے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چڑھایا اس

کے بعد آپ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ اقدس پر گئے اور حاضری دینے کے بعد دوسرا ''غلاف'' آپ کے مزار عالی پر چڑھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف میں ''وٹوانی'' کی غرض سے باہر دریائے راوی کے پل کی طرف نکل گئے۔ آپ وٹوانی کر کے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ تھوڑے سے فاصلے پر سرشار پیمانہ وحدت، پروانہ شمع رسالت عارف باللہ پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمتہ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ آپ کی نظر جب شاہ صاحب پر پڑی تو آپ بھی چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ پندرہ بیس منٹ خاموش کھڑے رہنے کے بعد دونوں صاحب مسکراتے ہوئے اپنی اپنی سمت روانہ ہو گئے۔ حضرت صاحب قبلہؒ جماعت علی شاہ لاثانیؒ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

واپسی پر جب حضرت صاحب قبلہ ''بھورا شریف'' کے پاس سے گزرنے لگے تو ایک دم کھڑے ہو گئے۔ قریباً آدھ گھنٹہ کھڑے رہنے کے بعد چلے آئے اور راستہ میں فرمایا۔ ''حاجی صاحب نے مجھے کھڑا کر لیا تھا اور فرماتے تھے داتا صاحب لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف تمہارا بہت خیال ہے۔ آخر میرا بھی تم پر حق ہے۔ یہاں ٹھہرو''!

عقیدت مندوں پر شفقت

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے عموماً رات کے آخری حصہ میں اپنا سفر شروع فرماتے۔ اکثر فجر کی نماز حجتہ الکاملین حضرت داتا صاحب لاہور رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں ادا کی جاتی۔ پچیس پچیس تیس تیس عقیدت مند ہمراہ ہوتے اور تمام احباب خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سفر کرتے۔ سبھی سر جھکائے ذکر میں محو، طبیعتوں میں سکون لئے ہوتے۔ راستہ

میں بعض احباب پر وجد طاری ہو جاتا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ مع اپنے احباب کے مکان شریف جا رہے تھے۔

شرقپور شریف سے لاہور تک تانگوں میں سفر ہوا۔ لاہور سے امرتسر تک ریل کی سواری ہوئی اور وہاں سے پھر تانگوں پر جنالہ ہوتے ہوئے رمداس پہنچے۔ وہاں رمداس میں غلام یٰسین نامی ایک ساتھی نے بازار سے ایک خربوزہ خریدا۔ وہ ابھی خربوزہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہی تھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے مستری کرم دین صاحب سے نہایت غصے سے فرمایا۔

''کرم دین! اندھے ہو۔ میں مر نہ جاؤں کہ احباب میرے ساتھ آئیں اور خرچ اپنا کریں آپ کا یہ کہنا تھا کہ مستری صاحب بازار پہنچے اور ایک من خربوزے خرید لائے۔ آپ نے پوچھا ''کتنے لائے ہو۔'' اور یہ معلوم ہونے پر کہ ایک من لائے ہیں فرمانے لگے تم بڑے ''وہ'' ہو۔ ارے ساری ڈھیری ہی لے آؤ۔'' پس وہ گئے اور ڈھیر کا ڈھیر ہی خرید لائے۔ دسترخوان بچھا دیا گیا۔ خربوزوں کی قاشیں بنائی جانے لگیں۔ عجیب منظر تھا۔ کرم نوازی زوروں پہ تھی دریائے رحمت و شفقت جوش پر تھا۔ قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ خربوزوں کی ''پھانکیں'' بنا رہے تھے۔ پھیکی پھیکی حضور کے سامنے تھیں اور میٹھی میٹھی سب میں بانٹی جا رہی تھیں اور بشاشت آپ کے چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی۔ آپ خوش ہو ہو کر کھلا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ خوب کھاؤ۔ خوب کھاؤ اور خوب اللہ کا ذکر کرو۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو شرقپور کی خواجہ برادری سے خاص لگاؤ تھا آپ نوجوانوں پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مکان شریف جاتے وقت یہاں کے کافی احباب آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ کی ہمراہی میں ذکر و فکر

میں خوب محویت ہوتی۔ جب مکان شریف پہنچتے تو خواجہ امام علی شاہ صاحب کے پائنتی میں حضرت قبلہ کی بیٹھک میں قیام ہوتا آپ ہمراہیوں کو فرماتے بھئی کچھ کر لو۔ احباب شرمسار ہوتے تو آپ دلجوئی کے لہجہ میں فرماتے ''میں بھی ساتھی ہوں۔ میں بھی ساتھ دوں گا اور مستری کرم دین صاحب اور والد صاحب وغیرہ کو فرماتے۔ ''بازار سے کچھ گوشت وغیرہ لے آؤ۔ کچھ دودھ وغیرہ بھی لیتے آنا اور گرم کر رکھنا۔ جب ہم ختم شریف سے واپس آئیں گے تو ان نوجوانوں کو پلانا کیونکہ انہیں گھر والوں میں عادت ہے۔ ان کی مائیں رات کو اٹھا کر انہیں دودھ پلاتی ہیں۔'' چنانچہ گوشت لایا جاتا اور جب پک کر دسترخوان پر آتا تو آپ دلجوئی کی خاطر ایک آدھ بوٹی لے لیتے۔

حاجی فضل احمد مولف حدیث دلبراں فرماتے ہیں کہ والد حاجی فضل الٰہی صاحب اوائل عمر میں کاروبار کی وجہ سے لاہور مقیم تھے کبھی آٹھ دس دن کے بعد رشتہ داروں کو ملنے اور سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا کرتے حضرت صاحب قبلہ والد صاحب سے بڑی شفقت اور مہربانی فرمایا کرتے اکثر ایسا ہوتا کہ لوگ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کے متعلق پوچھتے تو حضور فرماتے کہ فضل الٰہی سے پوچھ لینا۔'' یہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ والد صاحب آپ کی آمد سے غائبانہ باخبر ہو جاتے۔ جب بھی آپ نے لاہور آنا ہوتا۔ والد صاحب کی طبیعت میں بے قراری بڑھ جاتی۔ کسی پل چین نہ آتا وہ سمجھ جاتے کہ آج حضرت صاحب نے آنا ہے یا کوئی غیر معمولی بات ظہور پذیر ہوگی۔

ایک دفعہ والد صاحب لاہور سے شرقپور شریف آئے اور حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ ''ظہر کی نماز کے بعد جانا ہے۔'' ظہر کی نماز کے فوراً بعد والد صاحب اپنی ہمشیرہ کے گھر صرف یہ بتانے گئے کہ وہ جا رہے ہیں اور واپسی پر حضرتؒ صاحب قبلہ کو موجود نہ پایا۔ آپ

روانہ ہو چکے تھے (خیال رہے کہ حضرت صاحب قبلہؒ نیک کاموں کی انجام دہی میں ذرہ بھر بھی توقع نہیں کیا کرتے تھے۔) حضرت صاحب قبلہؒ کی روانگی کی خبر پا کر والد صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ ان دنوں موٹریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ذریعہ سفر صرف ٹم ٹم ہی تھا۔ والد صاحب نے سالم ٹم ٹم کرایہ پر لی اور عالم اضطراب میں حضرت صاحب کے پیچھے چل دیئے لاہور پہنچ کر بڑی جستجو اور تلاش کے بعد والد صاحب نے سید مٹھے کی ایک مسجد میں حضرت صاحب کو جالیا۔ دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے اندر آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد والد صاحب اٹھ کر ٹم ٹموں کے اڈہ کی طرف چل دیئے اور وہ لوگ بھی پیچھے پیچھے چلے آئے۔ لوگ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ یہ شخص جس طرف جاتا ہے اسی طرف سے خوشبو آتی ہے اکثر لوگ قیام و طعام کے لئے کہتے رہے لیکن انہیں تو کچھ اور ہی دھن تھی۔

والد صاحب ٹم ٹم پر سوار ہو کر رنداس چل دیئے اور جب رنداس پہنچے تو گیارہ بج چکے تھے اور موسم سخت گرم تھا۔ آتش ہجر و فراق سے ذرہ بھر بھی ستانے نہ دیا۔ وہاں سے سیدھے ہی مکان شریف روانہ ہو گئے۔

قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا روضہ اقدس اتنا بلند ہے کہ رنداس سے ہی نظر آ جاتا ہے۔ والد صاحب نے اصل راستہ چھوڑ کر روضہ شریف کی سیدھ میں چلنا شروع کر دیا۔ جوتی ہاتھ میں تھی اور دارفتگی میں گندم کٹے کھیتوں کے بیچوں بیچ چلے جا رہے تھے۔ دوپہر کا وقت، گرمی کا موسم ننگے پاؤں، تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ لگن تھی جو لئے جا رہی تھی۔ مدہوشی تھی جو کچھ معلوم نہ ہونے دیتی تھی۔ پاؤں جھلس گئے اور گندم کے ''مڈھ'' چبھنے کی وجہ سے خون رسنے لگا۔ لیکن کھینچنے والا کھینچتا گیا اور چلنے والا چلتا گیا۔

آخر مکان شریف آ گیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحبؒ قبلہ میر صاحب کی حویلی میں قیام فرما ہیں۔ والد صاحب وہاں پہنچے تو مولوی غلام

قادر صاحب کھانا کھا کر کلی کر رہے تھے۔ مولوی صاحب نے ہنس کر حضرت صاحب قبلہ سے کہا ''سرکار! فضل الٰہی آ گیا ہے۔'' آپ نے بھی مسکراہٹ فرمائی اور حویلی سے اٹھ کر مسجد میں چلے آئے۔

حضرت صاحب قبلہ نے مسجد میں آ کر رومال کھولتے ہوئے فرمایا ''لو فضل الٰہی! یہ مصری لو اور حجرہ میں سے ایک پیالہ لے کر پانی میں گھول کر پی لو۔ میں نے شرقپور شریف سے ہی چلتے وقت یہ مصری تمہارے لئے لے لی تھی۔'' والد صاحب نے مصری گھول کر شربت پی لیا تو آپ نے فرمایا ''حویلی میں جاؤ۔ وہاں السماری میں تمہارے لے ایک پیالہ میں سالن رکھا ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا فضل الٰہی آ کر کھا لے گا۔''

حاجی فضل احمد فرماتے ہیں کہ مکان شریف دو رات کے قیام کے بعد سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میر بارک اللہ صاحب سجادہ نشینان مکان شریف نے ایک عربی النسل گھوڑی آپ کے لئے اور ایک گھوڑا مولوی غلام قادر صاحب کی سواری کے لئے دیا۔ تا کہ آپ رمداس پہنچ سکیں۔ چنانچہ گھوڑے پر مولوی غلام قادر صاحب اور مستری کرم دین صاحب سوار ہوئے اور گھوڑی پر حضرت صاحب قبلہ نے اپنے پیچھے والد صاحب کو سوار کر لیا۔ میر صاحب نے ایک آدمی گھوڑے واپس لانے کے لئے بھی آپ کے ہمراہ کیا جو کہ نیا نیا ہی ان کے پاس آیا تھا۔

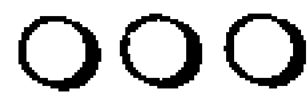
سحری کے وقت آپ رمداس کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ساتھ والے آدمی سے جو گھوڑیاں واپس لانے کے لئے جا رہا تھا فرمایا ''کیوں بھئی!! کیا اسی راستہ پر ہی چلنا ہے۔''

یہ سن کر اس آدمی نے کہا ''جناب! لوگ تو کہتے ہیں کہ میاں صاحبؒ ولی اللہ ہیں اور آپ کو راستہ بھی نہیں معلوم۔'' آپ فرمانے لگے ''لوگ ایسے ہی کہتے ہیں میں تو ابھی بندہ بھی نہیں بن سکا۔ ولی اللہ تو دور کی بات ہے۔''

ادھر آپ نے یوں فرمایا اور ادھر والد صاحب کو انہیں پکڑ رکھنے اور مضبوطی سے سنبھل کر بیٹھنے کہ کہا اور گھوڑی کو ایڑھ لگا دی۔ بس پھر کیا تھا عربی النسل گھوڑی فراٹے بھرتی ہوئی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ زور زور سے چیختا رہ گیا کہ ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ۔ راستہ بھول جاؤ گے لیکن جلد ہی آپ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور رمداس پہنچ کر ہی رکے۔

جب آپ رمدارس پہنچے تو سامنے ہی مسجد میں نماز فجر کی جماعت ہو رہی تھی۔ والد صاحب اتر کر گھوڑی کو پکڑنے لگے تو حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے جھڑک کر فرمایا ''جاؤ جا کر نماز پڑھو۔ تم اپنا کام کرو۔ میں اپنا کام کرتا ہوں۔''

ان کے بعد حضرت صاحب بھی گھوڑی باندھ کر جماعت سے آملے۔ اسی اثناء میں پیچھے رکے ہوئے ساتھی بھی پہنچ گئے بعد ادائیگی نماز تک تانگا کھڑا تھا جسے حضرت صاحب قبلہ پہلے ہی گھوڑی باندھتے وقت کہہ آئے تھے۔ اس پر سوار ہو کر امرتسر روانہ ہو گئے۔



وہ دانائے سبل، ختم رسل، مولائے کُل، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہ قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسین وہی طٰہٰ

داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے حصولِ فیض

روایت ہے کہ آپ نے عرصہ دراز تک یہ معمول بنائے رکھا تھا کہ بعد از نماز عشا شرقپور شریف سے لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کے لئے روانہ ہوا کرتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ کے مزار اقدس پر فجر کی نماز تک رہتے اور فیض یاب ہوتے رہتے فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد آپ عازم شرقپور ہوتے۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب آپ حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے دربار پر حاضری دیتے تو عام طور پر مسجد کے محراب میں حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اس جگہ سے آپ کی نگاہ مبارک سیدھی حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی لوح مزار اقدس پر پڑتی تھی ایک روایات ہے کہ ایک مرتبہ آپ لاہور میں قیام پذیر تھے کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ رات کے وقت حضور داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضری کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کا قیام اندرون بھاٹی دروازے میں تھا۔ ابھی آپ بھاٹی دروازے سے کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک نورانی شکل والے بزرگ

اچانک دربار عالیہ کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ جب یہ بزرگ حضرت میاں صاحب قبلہ کے قریب آئے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور کافی دیر تک ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے۔

اس کے بعد حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ نے اپنے عقیدت مندوں سے فرمایا کہ چلو دوستو واپس چلیں۔ جب سب لوگ قیام گاہ پر واپس پہنچے تو سب ہی اس وجہ سے پریشان تھے کہ آخر کیا وجہ ہوئی کہ میاں صاحب قبلہ ہمیں داتا صاحب کیوں نہیں لے کر گئے۔ حالانکہ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

آخر ایک صاحب نے بڑے ادب سے پوچھا کہ "یا حضرت! ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ دربار داتا گنج بخش پر جانے کا ارادہ آپ نے فرمایا ہو اور گئے نہ ہوں کیا آپ ہمیں اس راز سے آگاہ کرنا پسند فرمائیں گے۔"

آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا "بیلیو! داتا صاحب کو ہی ملنا تھا ناں! تو سنو کہ جو صاحب چوک میں نورانی صورت والے ملے تھے وہی تو داتا صاحب تھے۔ جب آپ نے خود ہی زیارت کروا دی تو پھر مزار شریف پر جانے کا کیا فائدہ تھا۔

دلیل معرفت

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ دربار داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص داتا صاحبؒ کے مزار کی طرف منہ کئے مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ان کا نام منشی غلام غوث تھا وہ قادری سلسلہ میں کسی صاحب سے بیعت تھے اور یکی دروازہ لاہور میں رہتے تھے۔ لوگ دور دراز سے بچوں کے لئے پانی اور تعویذ لینے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ ایک گھڑے میں پانی دم کر کے اور ایک گھڑے میں تعویذ پہلے ہی لکھ کر رکھتے تھے۔ جب کوئی بچہ لے کر آتا۔ گھڑے میں سے پانی بھی دے دیتے اور تعویذ بھی۔

تعویذ لینے والوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ فرداً فرداً لکھ کر دینے سے کام ہی نہیں چلتا تھا۔ منشی صاحب کا "مستغیث" پر عمل تھا۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "ایک خیال داتا صاحب کی طرف ایک خیال دل کی طرف اور ایک خیال ہو اللہ کی طرف پھر یکسوئی کونسی ہوئی۔" اتنا کہنے کے بعد آپ تو آگے بڑھ گئے اور منشی صاحب مراقبہ توڑ کر آپ کے پیچھے ہو لئے۔ چلتے چلتے لوہاری دروازہ آ گیا۔ اس کے باہر پھولوں کی دکانوں کے عقب میں چند ایک مزار تھے وہاں پہنچے تو وہاں عرس ہو رہا تھا اور محفل سماع گرم تھی۔ قوالی خوب زوروں پر تھی منشی غلام غوث وہیں ٹھہر گئے۔ چونکہ وہ عمر میں حضرت صاحب سے بڑھے تھے اس لئے آپ بھی ان کے احترام کی وجہ سے رک گئے تھوڑی دیر کے بعد ساز بجنے بند ہو گئے۔ یہ دیکھ کر منشی غلام غوث صاحب وہاں سے آگے چل دیئے۔ حضرت صاحب قبلہ بھی ہمراہ تھے۔

جب لوہاری دروازہ کے اندر بازار میں آئے تو پیچھے سے قوالی کی آواز پھر آنے لگی۔ منشی صاحب پھر واپس ہو لئے۔ وہاں پہنچے تو ساز پھر بند ہو گئے۔ منشی صاحب پھر چل دیئے اور جب دروازہ کے نزدیک آئے تو پیچھے سے پھر قوالی کی آواز آنے لگی۔ منشی صاحب پھر پلٹ آئے۔ آپ بھی ہمراہ تھے۔ جب آ کر کھڑے ہوئے تو ساز پھر بند ہو گئے قوالوں نے بہت زور مارا لیکن نہ ساز میں آواز پیدا ہونی تھی نہ ہوئی۔

یہ دیکھ کر منشی صاحب نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی۔ "ساز جو بند کر دیئے ہیں۔ مجھے ہی نہ کھڑا ہونے کے لئے کہہ دیتے۔ میں ہی نہ رکتا۔" سرکار خاموش رہے اور آگے چل دیئے۔ جب چوک جھنڈا پہنچے تو دیکھا کہ گندم فروخت ہو رہی ہے۔ کوئی گندم تول رہا ہے اور کوئی چھان رہا ہے۔ چھنا چھن اور دوسرے شوروغوغا سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ آپ نے منشی صاحب سے فرمایا۔ "یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ سماع نہیں ہے۔" منشی

صاحب نے عرض کی ''حضور یہ تو دلیل معرفت ہے اور آپ نے میری مشکل حل کر کے منزل طے کروا دی ہے۔'' اس دن کے بعد سے منشی غلام غوث نے حضرت صاحب قبلہ کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔

داتا صاحب کی نئی مسجد

ایک دفعہ چودھری غلام رسول ٹھیکیدار جس نے جناب داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد بنوائی تھی شرقپور شریف اعلیٰ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اسے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اسے دیکھوں جس نے داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد بنوائی ہے۔ چودھری غلام رسول کانوں سے بہرہ تھا اور ہر وقت اپنے ساتھ سنکھ رکھتا تھا۔ تاکہ جس کسی نے بھی کوئی بات کہنی ہو، سنکھ منہ میں رکھ کر اس کے کان میں کہے اور وہ خود بھی عام بہرے لوگوں کی طرح اونچی آواز سے ہی بات کہتا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب قبلہ کا ارشاد سن کر گویا ہوا۔ ''حضور! اس وقت نہیں دیکھا تھا؟ جب داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی موجودگی میں مجھے فرمایا تھا کہ مسجد بناؤ پھر بیان کرنے لگا۔'' میں اپنی کوٹھی میں رات کو سویا ہوا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی والی چھوٹی مسجد میں جمعہ ہو رہا ہے۔ خلقت اتنی تھی کہ خدا کی پناہ۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ چلے آ رہے تھے جو کہ نماز جمعہ پڑھنے کیلئے جمع ہو رہے تھے۔ داتا صاحب مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

''غلام رسول سن! میاں صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کہہ رہے ہیں کہ بابا صاحب دیکھو! جمعہ کے لئے لوگ مسجد میں کیسے تنگ ہو رہے ہیں۔ آپ ولیوں کے بابا ہیں اور مسجد اتنی چھوٹی سی یہاں ایک بڑی ذی شان مسجد بنی چاہئے۔'' حضور! اس وقت آپ نے مجھے نہیں دیکھا تھا؟'' یہ سن کر حضرت

صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمانے لگے۔

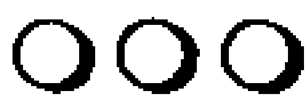
''تینوں ای جاچ ہووے گی۔''

تھوڑے سے وقفہ کے بعد ٹھیکیدار غلام رسول نے عرض کی ''قبلہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میرے لڑکے دین محمد نے ایک طوائف سے شادی کی ہے اس بات سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ اس کی پہلی بیوی بھی موجود ہے اور اولاد بھی۔ آپ توجہ فرما دیں۔''

چودھری غلام رسول کی شرقپور شریف سے واپسی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد اس کا لڑکا دین محمد حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ''سرکار میں نے اس طوائف کو طلاق دے دی ہے۔ اس کے بطن سے دو لڑکیاں ہیں۔ اس کے خاندان والوں نے لڑکیاں حاصل کرنے کے لئے مجھ پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ لڑکیاں ان کے پاس رہیں۔ حضور! دعا فرما دیں کہ مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں ہو۔'' تھوڑے ہی عرصہ بعد مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا اور لڑکیاں اسے مل گئیں۔

چودھری غلام رسول نے خواب میں داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حکم سن کر پرانی مسجد کو شہید کر کے نہایت اہتمام سے عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میاں صاحب قبلہ نے ہی داتا صاحب سے کہلوا کر مسجد تعمیر کروائی ہے۔

نوٹ : یہ مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا مغلیہ طرز تعمیر بیل بوٹوں سے آراستہ تھی۔ یہ ابھی حال ہی شہید کر دی گئی ہے ابھی جو حال میں ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے جدید طرز کی خوبصورت وسیع و عریض مسجد ہے جس کا ماڈل ترکی طرز تعمیر کا ہے۔



چند اہم شخصیات

حضرت شیر ربانی رحمتہ اللہ علیہ تمام زندگی احکامات شریعت کی پاسداری فرماتے رہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے کسی بلند پایہ شخصیت کی بھی پرواہ نہ کی چند اہم شخصیات کے ساتھ آپ نے شریعت کے سلسلہ میں کیا سلوک فرمایا ملاحظہ فرمایئے

علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ

حدیث دلبراں میں درج ہے کہ صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کبھی کسی دنیا دار بڑی شخصیت کی آمد کا علم ہوتو آپ اس کے آنے سے پیشتر ہی بیٹھک سے اٹھ کر چلے جاتے اور اس کی آمد کے بعد تشریف لاتے یہ اس لئے کہ دنیا دار کی تعظیم کے لئے آپ کو اٹھنا نہ پڑے۔ ایک دن علامہ محمد اقبال، سر محمد شفیع مرحوم جو میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خالہ زاد تھے کے ہمراہ شرقپور شریف حاضر ہوئے۔ آپ ان کے آنے سے پہلے ہی بیٹھک سے اٹھ گئے تھے ڈاکٹر صاحب آئے اور بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ نے ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہی فرمایا ''اخاہ! آج ہمارے جیسا کون ہے جبکہ ہمارے ہاں خود ''اقبال'' (یعنی عروج و ترقی) آ گیا ہے اور پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے فرمایا ''ارے میاں! جاؤ حجام کو بلا لاؤ ہماری بھی داڑھی مونچھیں مونڈ جائے ہمارے ہاں اقبال جو آ گیا ہے'' اور آپ نے سر اقبال کی انگریزی وضع اور لباس پر سرزنش کی۔ ان باتوں کا ڈاکٹر صاحب پر خاصا اثر ہوا اور ان پر رقت طاری ہوگئی۔

علامہ صاحب نے درد بھرے انداز سے عرض کی ''حضور! آپ عاشق رسول ہیں۔ گناہوں سے نفرت ہونا چاہئے۔ گناہگار سے نہیں۔''

اس پر حضرت صاحب قبلہ میں نرمی آ گئی اور آپ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ بعد ازاں آپ نے علامہ صاحب کی خاطر تواضع کے ساتھ انہیں تلقین بھی کی۔

سر شفیع

حدیث دلبراں میں درج ہے کہ میاں سر محمد شفیع کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ کسی زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں سر شفیع کا طوطی بولتا تھا پہلے تو وہ ایک کامیاب بیرسٹر تھے اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بعد میں وزارت قانون کا قلم دان ان کے سپرد کر دیا گیا۔ سر شفیع اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خالہ زاد تھے جب تک آپ کی خالہ بقید حیات رہیں آپ ان کے سلام کو سر شفیع کوٹھی اکثر جاتے رہے۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ اپنی خالہ کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے کہ سر شفیع کی والدہ اپنی بہو یعنی لیڈی سر شفیع اور دختر سر شفیع (بیگم شاہنواز) کو ساتھ لئے آپ کی طرف آئیں آپ نے دور سے ہی دیکھا تو پکار کر کہا ''خالہ جان! لے جایئے ان ''دوسری چیزوں کو'' اور آپ نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا اور نہ ہی آپ ان سے ملے آپ کی خالہ صاحبہ نے آپ سے کہا کہ آج کھانا

پوچھا "سٹیشن دلہن کی طرح سجایا گیا ہے کیا بات ہے۔"؟

"ہمارا وائسرائے آرہا ہے حضور"! سر شفیع نے جواب دیا۔

یہ سننا تھا کہ آپ پر سکتہ طاری ہوگیا اور آپ رقت بھری آواز میں فرمانے لگے۔ "ہمارے بھی ایک وائسرائے ہیں" اور فارسی کے یہ اشعار پڑھے۔

همه انبیاء درپناه تواند
همه در بارگاه تو اند
تو مهر منیی همه اختر ند
تو سلطان ملکی همه چاکر ند

جب آپ نے یہ اشعار پڑھے تو عجیب عالم تھے۔ سر شفیع اس کے ہمراہی افسر و دیگر حضرت صاحب قبلہ کے ساتھیوں پر رقت طاری تھی اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ سبحان اللہ گومی عشق رسول (ﷺ)۔

پاس شریعت

حاجی فضل احمد فرماتے ہیں کہ جن دنوں امیر ایوب خاں امیر ا! ہور میں نظر بند تھے (ان کی رہائش کا انتظام چوبرجی کے پاس ایک بہت بڑی کوٹھی میں کیا گیا تھا) ان کے ایک وزیر کے بھائی سردار حاجی نذر محمد صاحب تھے جو قادری سلسلہ کے بہت بلند پایہ اہل نسبت بزرگ تھے۔ لاہور میں ان کے کافی مرید تھے۔ وہ اکثر بنگلہ ایوب شاہ میں فروکش ہوتے سردار نذر محمد صاحب راقم الحروف کے والد حاجی فضل الٰہی پر بہت مہربان تھے اور جب بھی لاہور آتے والد صاحب ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ سردار صاحب والد صاحب کو اکثر کہا کرتے "بھئی! مجھے بھی اپنے پیر کے پاس لے چلو۔"

والد صاحب نے لاہور میں کاروباری سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور وہ واپس شرقپور شریف آگئے تھے کہ پیچھے سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا "حضرت صاحب

بلاتے ہیں۔" جب وہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ "تیرے دوست سردار نذر محمد صاحب آئے ہیں اور محلہ گھمیاں میں ان کو ٹھہرایا ہوا ہے۔" والد صاحب وہاں گئے اور دیکھا کہ سردار صاحب مع آٹھ دس پٹھان مہمانوں کے تشریف فرما ہیں وہ دو بیلوں والی رتھ پر لاہور سے آئے تھے۔ ان کے لئے خورد ونوش کا سامان آپ وہیں ان کے ڈیرہ پر بھیج دیتے تھے۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ "میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سردار نذر محمد صاحب بڑے اشتیاق اور محبت سے ملنے آتے ہیں لیکن حضرت صاحب قبلہ نے کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی۔" دوسری صبح سردار نذر محمد صاحب نے کہا آج کھانا وہاں کھائیں گے جہاں لنگر میں عام لوگ کھاتے ہیں اور دس بجے کے قریب سردار صاحب کھلنا کھانے بیٹھک میں تشریف لے آئے۔ حسب دستور دسترخوان بچھا ہوا تھا سب احباب بلا تفریق امیر وغریب بیٹھے ہوئے تھے۔ سردار صاحب بھی سب کے ساتھ بیٹھ گئے کچھ وقفے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سردار نذر محمد صاحب سے فرمایا 'میرے گناہ زیادہ ہو گئے ہیں کہ آپ جیسے سفید ریش بزرگ میرے پاس آئے ہیں" والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے کہا "یہ بچہ ہی تو ہے، مجھے آپ کے متعلق بتاتا تو میں خود حاضر ہو کر ملاقات کرتا۔ خیر! کوئی بات نہیں بادل گھر آ کر ہی برسا کرتے تھے۔"

یہ سن کر سردار صاحب کہنے لگے "میں نے کئی حج کئے ہیں۔ 25 برس مکہ معظّمہ بیت اللہ شریف میں درس دیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی کیا ہے لیکن جو کچھ آج رات میں نے یہاں دیکھا اور فیوض حاصل کئے ہیں وہ یہاں سے ہی مل سکتے تھے۔" اسی دن آپ نے ان کی خواہش پر رخصت کر دیا اور وداع کرنے کیلئے ان کے ساتھ ہو لئے۔ تھوڑی دور جا کر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ

اللہ علیہ نے سردار صاحب کو رتھ پر سوار ہو جانے کو فرمایا لیکن انہوں نے ادب کی وجہ سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے انہیں خود اٹھا کر رتھ پر بٹھا دیا اور قریباً دو فرلانگ تک آپ ان کے ساتھ گئے۔

لاہور جا کر سردار حاجی نذر محمد صاحب نے کہا ''اپنی زندگی میں اگر کوئی مرد کامل دیکھا ہے تو وہ میاں صاحب شرقپوری ہیں وہاں سے میں نے بہت فیض حاصل کیا ہے اور اس دن کے بعد اکثر اپنے مریدین اور معتقدین کو حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں شرقپور شریف بھیجا کرتے۔

سردار حاجی نذر محمد صاحب کی ملاقات کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لے گئے اور انکے دو چار دن بعد یہاں شرقپور شریف میں مقامی سکھوں نے ایک جلسہ کا انتظام کیا۔ جس میں بیرونجات سے دوسرے سکھوں نے بھی شرکت کی۔ وہ ایک جلوس کی صورت میں بازار میں آئے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بھجن گاتے اور تقریریں کرتے چلے۔ ان گویوں اور مقرروں میں ایک نابینا سکھ بھی تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان سکھ لڑکا بھی تھا۔ جو جوڑی (طبلہ) بجاتا تھا اور وہ نابینا بارمونیم باجے کے ساتھ گاتا اور تقریر کرتا تھا۔ اس کی تقریر کے دوران جب جلوس سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی گلی کے سامنے سے گزرا تو اس سکھ نے تقریر بند کر دی اور جلوس کو کھڑا کرنے کے لئے کہا اور بولا! اس طرف سے کسی اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے۔ مجھے اس کی قدم بوسی کر لینے دو پھر آگے چلیں گے۔''

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور کئی ایک حضرت صاحب قبلہ کے عقیدت مند اس جلوس میں موجود تھے۔ ان پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ لالہ پھگورام جو شرقپور شریف میں میونسپل کمیٹی کا ممبر تھا اور سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا محلہ دار بھی، اس نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ اس گلی میں بہت بڑے بزرگ میاں صاحب رہتے ہیں اور آج یہاں موجود نہیں ہیں کہیں باہر

تشریف لے گئے ہیں یہ سن کر وہ سکھ رو دیا اور کہنے لگا۔ ''یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں قدم بوسی سے محروم رہا۔'' اس کے بعد اس نے تقریر ختم کر دی۔

والد صاحب (حاجی فضل الٰہی) کہتے ہیں ''رات کو ان کا پھر جلسہ تھا مجھے اشتیاق تھا کہ اس نابینا سکھ کی تقریر سنی جائے۔ اسی جستجو میں رات جلسہ گاہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس وقت تقریر کرے گا؟ سکھ کہنے لگے۔ ''وہ اس وقت تقریر کرتا ہے جب عام تماشائی جو محض وقتی طور پر حظ اٹھانے آجاتے ہیں یہاں سے چلے جائیں اور صرف وہ خلوص بھرے لوگ رہ جائیں جو محض کسی بلند مقصد اور گورو جی کی رضا کے لئے آئے ہوں اور ایسا پرسکون ماحول سوائے پچھلی رات کے کب میسر آسکتا ہے۔'' سو ایسا ہی ہوا کہ سب سے آخر میں وہ نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا سٹیج پر آئے اور کچھ دیر ہارمونیم اور طبلہ بجاتے رہے۔ تقریر سے بیشتر انہوں نے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ تعریف رسالت مآب ﷺ بیان کی۔ پھر وہ نابینا سکھ لوگوں سے یوں مخاطب ہوا۔

''بھائیو! میں نے کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کرنی ہے۔ میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سکھ کون ہے اور کون کون سکھ کہلانے کا مستحق ہے۔ بات یوں ہے کہ گورونانک ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ان کو صرف رب کا نام جپنے کی ہی دھن رہتی تھی۔ ایک دن اسی محویت کے عالم میں ایک شخص ان کے پاس سے گزرا گورو نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ جب وہ پاس آکر کہنے لگ۔ ''فرمایئے'' تو گورو جی نے کہا ''سکھ'' اس نے جواب دیا ''کیا سکھوں؟'' گورو جی کہنے لگے ''سکھ رب داناں۔'' اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ وہ آدمی ہندو تھا مسلمان تھا یا کون تھا؟ کیس رکھوانے، کڑا ڈالنے، کچھا پہننے، کنگھا رکھنے اور کرپان باندھنے سے کوئی بھی سکھ نہیں ہوسکتا۔ جس نے رب کا نام سیکھ لیا وہ ''سکھ'' ہے خواہ کوئی ہو۔ جو اس کا نام جپنے والا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے وہی ''سردار'' ہے باقی سب باتیں ہی

باتیں ہیں۔ مذکورہ باتیں کہنے کے بعد اس نے اپنی تقریر ختم کر دی۔ اس کی تقریر میں بہت لطف اور لذت تھی اور اس کے الفاظ نے لوگوں کے دلوں پر خاصہ اثر چھوڑا۔ صبح ہوتے ہی وہ نابینا سکھ شرقپور شریف سے روانہ ہوگیا۔

جلسے کے دوسرے دن ہی حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف سے واپس تشریف لے آئے۔ والد صاحب عشاء کی نماز کے بعد مسجد کی چھت پر حضرت صاحب قبلہ کے پاس گئے۔ حسب عادت آپ گیارہ ساڑھے گیارہ کے قریب گھر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرکار دروازہ پر سیڑھیوں کے قریب ''منتظر'' کتوں کو روٹی کے ٹکڑے ڈالا کرتے تھے۔ اس دن کتوں کو روٹی ڈالتے وقت والد صاحب نے آپ سے عرض کی ''حضور! سکھوں کا جلسہ ہوا تھا اور اس میں ایک نابینا...... آپ نے فقرہ پورا کرنے ہی نہ دیا اور فرمایا ''اوتاں جوان کوئی ول ای ہو ویگا'' (یعنی بھئی! وہ تو کوئی اچھا آدمی ہوگا) راستے میں بات پھر شروع ہوئی۔ لیکن آپ نے بات بیچ میں ہی کاٹ دی اور یہی فرمایا۔ ''جوان! اوتاں کوئی ول ای ہووے گا۔'' اور تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا اور والد صاحب خاموش ہوگئے۔

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''اس واقعہ کے دوسرے دن ہی ظہر کی نماز کے بعد مجھے گھر سے حضرت صاحب قبلہ نے بلا بھیجا۔ جب میں بیٹھ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نابینا سکھ اور نوجوان لڑکا حضرت صاحب قبلہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ سرکار مسکرائے اور آنکھ کے اشارے سے سمجھایا کہ وہ سکھ یہی ہے؟'' میں وہیں بیٹھ گیا۔ تمام احباب مع وہ دونوں سکھ مراقبے میں مشغول ہوگئے۔ قریباً آدھ پون گھنٹہ یہی عالم رہا۔ اس کے بعد اس سکھ نابینا نے میاں صاحب رحمتہ اللہ کے زانوؤں کو دبا کر کہا ''الحمد اللہ، الحمد اللہ، الحمد اللہ! چالیس برس کے بعد گورو کا رنگ یہاں آکر دیکھا ہے۔'' اور نوجوان کو آگے کیا اور کہا ''اس کی کمر پر ہاتھ پھیریں۔ یہ گرووں کی سیوا کرتا رہے اور اگر

مجھے اجازت ہو تو کبھی کبھی حاضر ہوتا رہوں۔" حضرت صاحب قبلہ نے اس کے بازو پر ہتھیلی مارتے ہوئے فرمایا "جا مارا یا ہو یا! ابھی تک تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ انہیں کچھ پلاؤ۔ وہ کہنے لگا "یہی پلائیں جو کچھ پلا رہے ہیں" آپ مسکرا پڑے اور فرمایا "یہ بھی کچھ ہوتا ہے۔"
والد صاحب کہتے ہیں میں نے کہا "کسی ہندو سے لاؤں۔"
وہ بول اٹھا "جی کوئی بات نہیں! جہاں سے چاہو لے آؤ۔"
چنانچہ والد صاحب مولوی محمد صدیق کی دکان سے دودھ لے آئے اور وہ کہنے لگا۔ "پہلے حضور نوش فرمائیں۔" تو آپ نے ایک گھونٹ پی کر اُسے دے دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اُسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔
والد صاحب نے اس نابینا سے پوچھا "تم کیسے آگئے ہو۔" اس نے بتایا "میں سیالکوٹ میں تھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے روحانی تار ملا اور صبح میں حاضر ہو گیا۔

دوسرے دن لوہاراں والی مسجد میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اشراق پڑھنے کے لئے وضو فرما رہے تھے تو بعد فراغت آپ نے فرمایا "حاجی سردار نذر محمد صاحب بڑے اچھے پارسا بزرگ ہیں ہمیں ان کی بڑی عزت ہے لیکن اس نابینا سکھ کی طرح "فنا" والے تمام پنجاب میں ہندو مسلمان میں تین یا چار آدمی ہیں۔ مگر ہمیں تو سردار نذر محمد صاحب ہی اچھے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والے۔ یہ ہندو یا سکھ یا دوسرے مذاہب کے افراد کا حصہ یہاں دنیا میں ہی ہے۔"

حاجی فضل احمد حدیث دلبراں میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحبؒ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو ہمراہیوں کے ساتھ قصبہ سے

باہر تشریف لے گئے۔ آپ شہر کے دروازہ سے نکل کر بولیاں والے کنویں سے ہوتے ہوئے کچھ دور آگے نکل گئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ آپ نے ساتھیوں کو ٹھہرایا اور خود پیشاب کرنے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اپنی جیب میں سے تسبیح نکالی اور اسے ایک کیکر کے درخت کی ٹہنی پر لٹکا کر خود حوائج ضروریہ کے لئے چل دیئے بعد فراغت واپسی پر راستہ میں ہی ایک جگہ پاؤں کے بل بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھ کر استنجا کیلئے کنویں کی طرف سے آنے والی پانی کی نالی پر چلے گئے۔ استنجا کے بعد آپ نے کیکر کے درخت سے تسبیح اتاری اور ساتھیوں کو لے کر گھر کی طرف واپس ہوئے۔ راستہ میں آپ نے فرمایا ''جب میں پیشاب کر کے لوٹا تو راستہ میں ایک جگہ پاخانہ پڑا ہوا تھا۔ وہ سوکھ کر سنہری رنگ کا ہوگیا تھا۔ مجھے وہ بڑا خوبصورت لگا میں اس کے پاس بیٹھ گیا مجھے اس پر بڑا پیار آرہا تھا۔ پاخانہ نے زبان حال سے مجھے کہا ''تمہیں جو مجھ پر اتنا پیار آرہا ہے اور بڑی محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہو، مجھے کھا کیوں نہیں لیتے۔''؟ میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ '' تجھے کھا تو لوں لیکن کیا کروں شریعت اجازت نہیں دیتی۔ حضرت کے فرمان کا ہر طرح سے لحاظ ہے اور ہر چیز سے مقدم۔'' نیز آپ نے فرمایا۔''جب میں کیکر کے درخت سے تسبیح اتارنے لگا تو کیکر نے زبان حال سے مجھے یوں کہا! دیکھ! میں اکیلا ہوں۔ میرا اللہ بھی ایک ہے۔ دل میں اسی ایک کا دھیان رکھو، ماسوا ہر کسی کا خیال چھوڑ دو۔'' اس کے بعد آپ نے فارسی میں یہ فرمایا!

نہ باید گریست اندر چیز کس دل
کہ دل برداشتن کاریست

ایک اثر انگیز واقعہ

حاجی فضل احمد تحریر کرتے ہیں کہ شرقپور شریف سے جنوب کی طرف پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور و معروف گاؤں فیض پور کلاں ہے۔ کسی زمانہ

میں یہ گاؤں ایک بارونق قصبہ تھا۔ دریائے راوی کے کٹاؤ کے عمل کی وجہ سے یہ برباد ہوا۔ اب اس گاؤں کی دو تہائی آبادی دوسرے قصبوں اور شہروں میں منتقل ہو چکی ہے۔

اس گاؤں کے مشہور خاندان کا نمبر دار چودھری اللہ بخش ایک دفعہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد از ملاقات آپ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ بھی آپ کے ہمراہ مسجد میں نماز کے لئے چلا آیا۔

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی مسجد میں بعد از نماز فجر اور نماز عشاء سے پیشتر ایک لمبی چادر پر اکٹھے بیٹھ کر کھجور کی گٹھلیوں پر درود شریف خضری پڑھا جاتا تھا۔ (جو آج تک اسی ترتیب سے جاری ہے) چنانچہ حضرت صاحب قبلہ اور دوسرے احباب کے ہمراہ چودھری اللہ بخش بھی درود پاک پڑھنے لگا۔

چودھری اللہ بخش بڑی اونچی پگڑی باندھا کرتا تھا اور اس کی بڑی پگڑی سارے علاقے میں مشہور تھی۔ درود شریف پڑھنے کے دوران چودھری اللہ بخش نے کھجور کی گٹھلیوں (شماروں) کو ہاتھ میں لے کر جہاں شمارے ختم ہو چکے تھے وہاں پھینکا شماروں کو اس طرح پھینکتے دیکھ کر حضرت صاحب رحمتہ اللہ بڑے کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا۔''چودھری صاحب! آپ کی بڑی سی پگڑی کو آپ کے سر سے اتار کر زور سے دور پھینکا جائے تو کیا آپ کو غصہ نہیں آئے گا۔''جن شماروں پر درود پاک پڑھا جاتا ہے ان کی عزت کیا تمہاری پگڑی سے بھی کم ہے؟'' آپ کے اتنا فرمانے پر چودھری اللہ بخش نہایت شرمندہ ہوئے اور انہوں نے آئندہ کے لئے توبہ کی۔ علاقہ کے بڑے بوڑھے جانتے ہیں کہ چودھری صاحب کی اس دن کے بعد کی زندگی نہایت زہد واتقا میں گزری ہے۔

مسجد کی دیکھ بھال سے غفلت پر تنبیہہ۔

ایک روز حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ شہر سے باہر تشریف لائے اور میانی کھوئی کی طرف قضائے حاجت کی غرض سے چل نکلے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد آپ نے ایک چرواہے سے ''ڈھانگی'' لی اور نیم کے درخت سے ایک ڈھنڈا بنایا اور موضع سکھانوالہ کی طرف چلے آئے۔ وہاں پہنچ کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس مسجد کی چھت گری ہوئی تھی۔ آپ کے ہمراہ مستری کرم دین صاحب مرحوم بھی تھے۔ آپ نے مستری صاحب کو فرمایا۔ ''ذرا سائیں غلام محی الدین کو بلا لاؤ۔''

ادھر سائیں غلام محی الدین کو بھی کسی صورت پتا چل گیا کہ حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ خوف کے مارے وہ کسی کمرے میں چھپ گیا اور مستری صاحب ناکام واپس لوٹے اور عرض کی۔ ''حضور! وہ یہاں نہیں ہے۔'' آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ہے تو یہیں۔ کہیں چھپ گیا ہوگا'' خیر اس موضع کے کسی بڑے آدمی کو ہی بلا لاؤ۔'' گاؤں کے تقریباً سبھی لوگ باہر کھیتوں میں کام کرنے گئے تھے۔

مستری صاحب قریب کے کنویں سے ایک بیالیس چوالیس سالہ آدمی اپنے ہمراہ لے آئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا ''میاں! اگر کسی کے گھر کی چھت گر جائے تو وہ کیا کرتا ہے۔'' اس نے عرض کی ''حضور! وہ لازمی طور پر اس کو بنائے گا۔'' حضور میاں صاحب کا یہ سننا تھا کہ آپ نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا ''اپنے گھر کا اتنا خیال؟ اور اللہ کے گھر کی چھت اتنے دنوں سے گری پڑی ہے۔ لیکن کسی کا اس طرف دھیان ہی نہیں۔'' اس آدمی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی ''قبلہ ایک ہفتہ کے بعد آپ چھت بنی ہوئی پائیں گے۔'' کچھ وقفے کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور

قبرستان ''ڈوہراں والا'' تشریف لائے وہاں جو کچی مسجد تھی آپ اس میں محوذ کر ہو گئے۔

چند لمحوں کے بعد مسجد کے دروازہ پر ایک خوبصورت سی کار آ کر رکی۔ اس میں سے ایک آدمی انگریزی لباس میں ملبوس ہیٹ پہنے نکلا اور جوتے اتار کر مسجد کے اندر حضرت صاحب قبلہ کے سامنے جا پہنچا۔ اس نے ہیٹ اتار کر آپ کو سلام کیا۔ یہ دیکھ کر آپ طیش میں آگئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار چانٹا رسید کیا وہ کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا ''نور محمداں دیاں ایہی بوتھیاں ہندویاں نے'' (یعنی نام تو نور محمد ہے چہرہ سارا انگریز وضع کا) وہ ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ ''سرکار! اب کی دفعہ نور محمد بن کر حاضر ہوں گا۔''

خیال رہے کہ نور محمد پہلی دفعہ ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کبھی بھی حضور سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ شاید اس زمانے میں مہتمم بندوبست تھے۔ اسی اثناء میں پیچھے سے ان کا پانچ سالہ لڑکا آیا اور حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی گود میں بیٹھ گیا اس سے آپ کی طبیعت بدل گئی۔ اور آپ مسکرا پڑے۔ آپ نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر اس لڑکے کو دیا اور فرمایا: آؤ چلیں۔ شیخ نور محمد نے مستری کرم دین صاحب سے عرض کی کہ کار حاضر ہے۔ لیکن مستری صاحب خاموش رہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے مستری صاحب کی طرف دیکھا اور پوچھا یہ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ''حضور! یہ کہتا ہے کہ کار حاضر ہے۔'' آپ فرمانے لگے۔

''میں ایہدی کار تے موتر داوی نئیں۔'' (یعنی ہم اس کی کار پر پیشاب بھی نہیں کرتے) اس کو کہو کہ کار پر گھر چلا جائے اور آپ ''بولیاں'' والے کنویں کی طرف سے کھیتوں کے بیچوں بیچ گھر تشریف لے آئے۔

مندرجہ بالا واقعہ کے تھوڑے دن بعد سکھانوالہ میلہ آگیا۔ حضرت صاحب

قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے رات کے وقت 2 بجے بابا حاکم ٹم ٹم والے کو فرمایا۔ ''تم جاؤ اور میلہ سے سائیں غلام محی الدین کو لے آؤ۔'' بابا حاکم سیدھا سکھانوالہ گیا۔ اس وقت میلہ خوب زوروں پر تھا۔ قوالیاں ہو رہی تھیں۔ طوائفیں محو رقص تھیں۔ تماشائی دنیا و مافیہا سے بے خبر تماش بینی میں مشغول تھے۔ سائیں غلام محی الدین بھی میلہ میں موجود تھے ان کے بدن پر زیور بج رہا تھا۔ گوٹے دار لال کپڑے پہن رکھے تھے۔ بابا حاکم نے جا کر کہا کہ حضرت صاحب قبلہ بلاتے ہیں۔ چلو! وہ اسی حالت میں ہی چپ چاپ ساتھ ہو لئے۔

یہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ وہ جیسی حالت میں تھے ویسے ہی اور میلے کو زوروں پر چھوڑ کر چلے آئے۔ ورنہ ایسی سرور انگیز گھڑیوں میں سائیں غلام محی الدین کا میلہ چھوڑ آنا ممکن نہیں تھا وہ جب حضرت صاحب قبلہ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا۔ ''غلام محی الدین نہا دھو کر غسل کرو۔ وہ چپ چاپ نہا لیے۔ آپ نے ان کو گھر سے سفید کپڑے لا کر پہنائے۔ اسی اثناء میں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور آپ نے نماز فجر ادا کرنے کا حکم دیا۔ سائیں غلام محی الدین کی ادائیگی نماز کے بعد آپ نے فرمایا ''غلام محی الدین! آج کے بعد تم میلہ نہ کرنا۔'' اور رخصت کی اجازت دے دی۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد سائیں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اناللہِ وانا الیہِ راجعون۔ یہاں اس بات کا ذکر کر بے محل نہ ہو گیا کہ سائیں صاحب آدمی تو اچھے تھے لیکن ان کا کوئی شیخ نہ تھا اور اسی لئے سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے آخری وقت بلا کر توجہ کرا دی۔

مولانا سید دیدار علی شاہ

مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب، حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات

کے لئے شرقپور شریف تشریف لائے۔ حضرت صاحب قبلہ بہت خوش ہوئے اور مولانا موصوف کی بڑی خاطر مدارات کی اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ آپ نے مولانا صاحب سے فرمایا۔ ''مولانا آپ نماز پڑھائیں'' مولانا صاحب کے سر پر ٹوپی تھی۔ آپ نے جو دیکھا تو آنکھ کے اشارے سے ایک معتقد کو بازار سے تین گز ململ لانے کو کہا۔ چنانچہ ابھی تکبیر ہو ہی رہی تھی کہ ململ آ گئی اور آپ نے مسکراتے ہوئے اپنے دست مبارک سے مولانا صاحب کی ٹوپی پر پگڑی باندھ دی اور فرمایا ''مولانا! ٹوپی سے نماز تو ہو جاتی ہے لیکن فضیلت یہ ہے کہ ٹوپی اور پگڑی دونوں ہوں۔''

آپ کی عادت کریمہ تھی کہ جب کبھی کسی کو ننگے سر دیکھتے تو تین گز کپڑا منگوا کر اس کے سر پر باندھ دیتے۔

میلہ سے نفرت

حاجی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ شرقپور شریف کے نزدیک ہی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام سکھانوالہ ہے یہ موضع سکھوں کے عہد حکومت میں کسی سکھ جاگیر دار کا قلعہ تھا۔ اس جگہ ایک پرانا مزار بھی تھا جس پر سائیں غلام محی الدین کے والد صاحب جو کہ مجذوب اور مست حال تھے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بعض لوگ سائیں غلام محی الدین کی سجادہ نشینی میں حارج ہوئے لیکن راقم الحروف کے دادا جان میاں الٰہی بخش مونگا نے کوشش کر کے انہیں گدی نشین کرا دیا۔ اس مزار کے ساتھ کچھ زمین تھی اور اسی وجہ سے لوگ سائیں غلام محی الدین کے گدی نشین ہونے میں حائل ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا اور یہ ہو کر رہا۔

سائیں غلام محی الدین کی حالت عجیب تھی۔ کبھی وہ بالکل فقیرانہ اور مجذوبانہ حالت میں اپنے خیال میں محو باہر ویرانوں میں وقت گزارتا تو کبھی

گاؤں اور شہر میں زیورات پہنے نظر آتا۔ کبھی اس کے بدن پر گوٹا کناری لگے رنگدار کپڑے ہوتے اور کبھی پھٹا پرانا لباس زیب بدن ہوتا۔ ہزاروں روپیہ قرض لے کر سکھانوالہ میلہ منعقد کرواتا۔ یہ میلہ اتنا مشہور ہوگیا تھا کہ دور دراز سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں میلہ میں شرکت کرتے۔ اس زمانہ میں بیل جتے یکے عام ہوا کرتے تھے۔ سینکڑوں یکے شائقین کو لے کر آتے۔ لاہور اور امرتسر کے گوجر خاص طور پر سائیں غلام محی الدین اور دوسرے بزرگوں کے معتقد تھے۔ ان کو یہاں سے بہت فیض حاصل ہوتا تھا۔ لوگ ہزاروں روپیہ نذر گزارتے۔ سائیں غلام محی الدین کی طبیعت رندانہ سی تھی۔ خرچ کرنے میں ہاتھ کھینچ لینا اس کی عادت نہ تھی جو کچھ اکٹھا ہوتا۔ تمام کا تمام خرچ کر ڈالتا میلے کے شوق کے علاوہ بہ ظاہر اس میں کوئی اور عیب نہیں تھا۔ لیکن حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ میلہ جو شرع محمدی کے بالکل خلاف ہے کسی بزرگ کے مزار پر کیوں ہو۔ آپ تو شریعت مطہرہ کی چھوٹی سے چھوٹی خلاف ورزی بھی برداشت نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ میلہ۔ ایک دو دفعہ حضرت صاحب قبلہ نے سائیں غلام محی الدین کو کہلا بھیجا کہ میلہ نہ لیا کرو لیکن اس وقت کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ بعد میں میلہ کی رونق کم ہوتی گئی۔

مست فقیر

کسی گاؤں میں جلال دین نامی ایک شخص رہتا تھا۔ وہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھا اس نے سنا کہ موضع ''باٹھ'' میں ایک مست فقیر رہتے ہیں۔ وہ بڑے کامل بزرگ ہیں۔ چنانچہ جلال دین بڑے شوق سے وہاں پہنچا۔ اس مست نے اس پر کمال شفقت کی اور اسے بھی مست کر دیا۔ اسی مستی میں جلال دین لاہور چلا آیا۔

ان دنوں مستری کرم دین مرحوم ملازمت کے سلسلہ میں لاہور مقیم تھے۔

جلال دین جو اب ایک مست حال فقیر تھا ان کے مکان پر آیا۔انہوں نے کھانے کے لئے اسے ایک روٹی دی، وہ روٹی لئے ساری رات سیڑھیوں میں ہی بیٹھ رہا اور صبح ہونے پر اسی کیف و مستی میں شرقپور شریف چلا آیا۔

شرقپور شریف پہنچ کر مسجد حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے وہ روٹی ہاتھ میں لئے کھڑا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ گھر سے تشریف لائے۔

نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ جلال دین نیچے کھڑا ہے اسے لے آؤ۔ جب اسے مسجد میں لایا گیا تو حضرت صاحب قبلہ نے پکڑ کر اسے لٹا لیا اور یہ کہتے ہوئے ''لاؤ تمہاری مستی نکالوں۔'' خوب پیٹا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو سرکار نے پوچھا ''بتاؤ کدھر جانا ہے۔''؟

اس نے عرض کی۔ ''حضور! جدھر آپ ارشاد فرمائیں۔''

آپ فرمانے لگے۔ ''پہلے گھر جاؤ۔ اپنی والدہ سے ملو اور پھر اپنا کاروبار خوب جی لگا کر کرو۔'' نیز آپ نے ارشاد فرمایا ''ان مستوں سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ کمال مہربانی کریں تو اپنے جیسا مست کر دیتے ہیں۔ بصورت دیگر منفی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے باشریعت بزرگوں کے پاس حاضر ہونا بہتر اور افضل ہے۔''

پیر ابراہیم گیلانی صاحب

حاجی فضل احمد مونگہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دن لاہور دکان پر بیٹھے بیٹھے طبیعت بڑی بے چین ہوئی اور گھبرا کر دکان سے اٹھے اور چلے آئے۔ جب وہ بیرون شاہ عالمی گیٹ پہنچے تو وہاں تانگوں والے ''مزنگ، مزنگ'' کی آوازیں لگا رہے تھے۔ والد صاحب غیر ارادی طور پر مزنگ جانے والے ایک تانگے پر بیٹھ کر مزنگ اڈہ پر جا اترے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ انہوں نے اونچی مسجد میں نماز ادا کرنے کی ٹھانی اور وہاں

چلے گئے۔

جب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ آپ دیکھتے ہی مسکرا دیئے اور فرمایا۔

''آ گیا ایں۔ مینوں تیرا ای خیال سی۔ جوان! اتھے بغداد والی سرکار کے سجادہ نشین آئے ہوئے نیں۔ میں نے کہا سرکار کے سجادہ نشین جو ہوئے چل کر مل آئیں۔''

چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد چند احباب کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ پیر ابراہیم صاحب کو ملنے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے نواب اور تمام سلاسل کے سجادہ نشینان حاضری کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اپنے اپنے نام کی چٹ اندر جاتی تھی اور باری باری ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ کے ساتھ مزنگ کا خدا بخش نامی ڈرائیور بھی تھا جو کہ آپ کا والہ وشیدا تھا۔ آپ نے اس سے کہا۔

''خدا بخش تم اپنے نام کی چٹ بھیج دو۔''

سو حسب الارشاد اس کے نام کی چٹ اندر بھیج دی گئی۔ گیارہ بجے شب اندر بلایا گیا۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ جب اندر گئے تو دیکھا کہ ہال کمرے میں بیش قیمت غالیچے بچھے ہوئے ہیں اور ایک اونچے تخت پر سید ابراہیم صاحب تشریف فرما ہیں۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اندر جا کر غالیچہ پر نیچے ہی ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور دیگر سب احباب بھی عقب میں بیٹھ گئے۔

پیر صاحب نے حضرت صاحب قبلہ سے پوچھا ''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔''

آپ نے جواب دیا۔ "لا اِلٰہ الا انت سُبحانك انی کُنت من الظالمین۔"

پیر صاحب نے تیسری مرتبہ پھر پوچھا ''آپ کا نسب؟''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سورۃ حشر کی آخری آیات ھو اللہ الذی پڑھی۔

چوتھی دفعہ پیر ابراہیم صاحب یوں گویا ہوئے۔ ''آپ کا نام''

اس پر میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''فنا ہونے والے کا بھی کوئی نام ہوتا ہے۔'' یہ سننا تھا کہ پیر صاحب تخت سے نیچے اتر کر آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ ان کی داڑھی کتری ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا اور اپنی داڑھی کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے ہی پوچھا۔ ''کہ یہ کیا ہے۔'' پیر صاحب جوش میں آگئے، انہوں نے اپنا ہاتھ ناک سے نیچے اور لبوں کے اوپر رکھا تو نیچے سے داڑھی قبضہ بھر ہوگئی۔ یہ دیکھ کر حضرت صاحب قبلہ نے ایک جھرجھری لی اور فرمایا یہ کوئی شریعت کی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہی دلیل ہوتی تو تمام پیغمبر علیہم السلام بھی ایسا ہی کرتے۔'' پیر صاحب پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ نے رخصت کی اجازت مانگی تو پیر صاحب نے فرمایا ''آپ یہیں ٹھہریں'' آپ نے جواب دیا۔ ''بیمار ہوں اور تبخیر ہوتی ہے۔'' پیر صاحب کہنے لگے۔ ''ارے میاں! جب تک میری داڑھی پوری نہ ہو جائے تب تک تو رہو۔'' آپ خاموش ہو گئے اور آتی دفعہ سو روپیہ پیر سید ابراہیم صاحب کی نذر کیا۔

میاں صاحبؒ غالباً آٹھ یوم مزنگ میں مقیم رہے اور ہر روز دو وقت سید صاحب کی ملاقات ہوتی۔ جب پیر صاحب کی داڑھی بڑی ہوگئی اور آپ نے رخصت کے لئے اجازت چاہی تو پیر صاحب فرمانے لگے ''ارے میاں! کبھی بغداد شریف تو تشریف لائیں۔'' حضور فرمانے لگے۔ ''میں اس لائق کہاں ہوں۔ اچھا! جو خدا کو منظور ہوا۔'' آپ اسی دن شرقپور شریف واپس تشریف لے آئے۔ (1924ء میں پیر صاحبؒ پر بغاوت کا **الزام** لگا کر انہیں عراق بدر کیا گیا اور آپ ہندوستان تشریف لائے) عرصہ بعید کے بعد معلوم ہوا کہ

سید ابراہیم شاہ صاحب بغداد شریف جاتے ہوئے بمبئی میں انتقال کر گئے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

غریب پروری

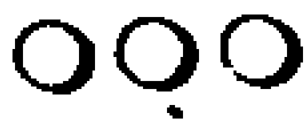
ایک دن سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لئے ایک ذیلدار حاضر ہوا بڑا گرانڈیل اور لمبا تڑنگا جوان تھا۔ رعب اور تمکنت اس کے چہرے سے ہویدا تھی ریوالور کمر میں بندھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور مسکین صورت آدمی بھی تھا جس کے معمولی کپڑوں اور اس زمیندار کے پیچھے پیچھے مودبانہ چلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی اس کا ملازم ہے۔ وہ دونوں اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹھک میں آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ تشریف لائے بعد ملاقات اور گفتگو کھانے کا وقت ہو جانے کی وجہ سے دستر خوان بچھا اور کھانا چن دیا گیا سب احباب جو وہاں موجود تھے دستر خوان پر بیٹھ گئے لیکن ذیلدار کا ساتھی اپنی جگہ پر بدستور بیٹھا رہا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ نے اسے بھی فرمایا۔ بھئی! تم بھی آؤ اور سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔" یہ سن کر وہ ذیلدار کہنے لگا "جناب اسے علیحدہ کھانا دے دیا جائے یہ ہمارا "کمین" (یعنی کام کرنے والا غلام کی طرز کا ملازم) ہے۔

حضرت صاحب قبلہ خاموشی سے اٹھے اور اندر سے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور بلند آواز سے فرمایا تم بھی "کمین"، میں بھی "کمین" آؤ! میں اور تم مل کر اکٹھے کھاتے ہیں۔" اور آپ اس کے ہمراہ کھانا کھانے لگے۔

حضرت صاحب قبلہ کی یہ گفتگو سن کر اور اس کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھ کر ذیلدار کے چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ شرمندگی سے سرنگوں ہو گیا اور اس کی پیشانی پر قطرات ندامت ہویدا ہو گئے اس پر رقت طاری تھی اور وہ رو رو کر کہتا تھا "سرکار! میں بھی آپ کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔" آپ مسکراتے تھے اور

فرماتے تھے ''نہیں، بھائی تم ذیلدار ہوئے۔ رئیس اور بڑے آدمی۔ تمہیں ہم سے علیحدہ ہی کھانا چاہیے۔ ہم دونوں ''کمین'' ہیں ہم اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔''

سبحان اللہ! مساوات، احترام آدمیت، حقوق العباد، سنت رسول اللہ ﷺ شریعت مطہرہ کا اس قدر خیال! ایسا منظر کہاں دیکھنے میں آئے گا؟ پھر اس کی تلقین کس اچھوتے اور موثر انداز میں۔ اولیائے سلف کی سی عادات اور قرون اولیٰ کی روایت کو اس دور پرفتن اور اس گئے گزرے زمانہ میں قائم رکھنا آپ کا ہی حصہ تھا۔



چند اہم واقعات

جناب محمد عمر صاحب ''انقلاب حقیقت'' کے صفحہ نمبر 19 میں فرماتے ہیں کہ ''نیچے کے مکان میں ایک حکیم صاحب بنگلہ فاضل کا کے رہنے والے شمال کی جانب۔ میں اور میرا ساتھی جانب شرق اور خضری گلی (لاہور) کا ایک نوجوان میڈیکل کالج کا طالب علم جنوبی کی طرف بیٹھے تھے۔ حکیم صاحب ایک معمر صورت آدمی تھے۔ حضور (قبلہ میاں صاحبؒ) تشریف لائے اور حکیم صاحب کے پاس دو زانوں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے۔

آپ نے اپنے معمول کے مطابق (جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا) بے دینی، سوم بد اور فرنگیت کا ذکر بایں الفاظ شروع کیا۔ ''کہ جس کلمہ شریف کو نبی کریم ﷺ نے اپنا اور اپنے صحابہ کا خون بہا کر لیا تھا آج مسلمان اس کو مفت دے رہے ہیں۔ جس داڑھی کے لئے سرور کائنات نے تمام مصائب اٹھائے تھے اس کی مسلمان آج ذرہ بھر بھی قدر نہیں کرتے نام کو مسلمان اندر سے کافر۔ فرنگیت کے غلبے نے اسلام کو تباہ کر دیا۔ اسلام کا نام ہی نام ہے وغیرہ۔'' ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب کے رخسار بھی تر ہو گئے۔ بعد ازاں

میرے رفیق کے آنسو بھی پھوٹ آئے۔ مجھے بہت ہی کم رونا آتا تھا۔ لیکن اس کے بعد میرا نمبر بھی آ گیا۔ غرض چاروں پرنم آنکھوں سے سر ڈالے بیٹھے ہوئے تھے لیکن نوجوان کی تو چیخ و پکار تک نوبت آ گئی تھی۔

بعدازاں آپ نے مصافحہ کیا اور چوتھے نوجوان سے جا کر فرمایا۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اس نے جیب سے رقعہ نکالا۔ تو آپ نے فرمایا ''میں رقعہ وغیرہ نہیں جانتا۔ کچھ کہنا ہے تو کہہ لو۔'' لیکن وہ اس پر مصر رہا اور روتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا۔ ''کہ ہر کام سے پہلے بسم شریف پڑھ لیا کرو۔ رقعہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اور آپ بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔

سبحان اللہ نوجوان نے اپنی رومی ٹوپی پر چادر ڈال لی اور لاہور تک پرنم آنکھوں میں سرمہ ڈالے موٹر میں آیا۔ میری بھی عجیب حالت ہو گئی۔

نہ تو میں رہا نہ ہی تو رہا
جو رہی سو بے خبری رہی

☆☆☆☆☆

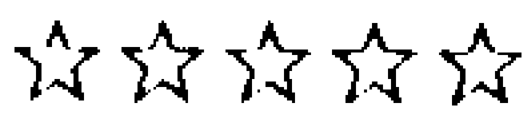
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ جب کبھی کسی کی پگڑی میں سے سر ننگا آپ نے دیکھا تو آپ نے فوراً تنبیہہ فرمائی مگر صرف نصیحت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ فوری طور پر ایک ٹوپی منگوا کر اس کو عطا فرما دی اور بعض مرتبہ تو اپنے دست مبارک سے پہنا دی۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک بوڑھے ساربان کو آپ نے اپنے دست مبارک سے ٹوپی پہنائی۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''میں تو سنت نبوی کی پیروی میں ٹوپی پہناتا ہوں مگر بعض لوگ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے۔ بھلا مجھے خلافت سے کیا واسطہ؟''

☆☆☆☆☆

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ہندوستان سے ایک عمر رسیدہ شخص آپ کی خدمت

میں کسی حاجت کے لئے حاضر ہوئے۔ ان کا تعلق صابری سلسلہ سے تھا۔ انہوں نے حاجب برآری کیلئے آپ سے دعا کرنے کی عرض کی۔ آپ نے حسب عادت بہت انکار کیا مگر آپ کو انہوں نے مسلسل التجاؤں سے مجبور ہی کر دیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ وہ صاحب بہت خوشی ہوئے۔ آپ نے ان کو مصافحہ کر کے رخصت کی اجازت دی مگر اس وقت سب حاضرین ہی ششدر رہ گئے جب آپ نے شدید اضطرابی حالت میں قدرے اونچی آواز سے فرمایا ''کہتے ہیں کہ بزرگوں سے تعلق ہے (ان صاحب نے اپنا تعلق صابری سلسلہ سے بتایا تھا اور یہ ارشاد انہی کی طرف اشارہ تھا) اور یہ سن (یعنی عمر) ہے (یعنی کافی عمر رسیدہ ہیں) پھر بھی انگریزی سیاہ جوتا نہ چھوڑا'' دراصل جب وہ صاحب رخصت ہونے لگے تو اچانک آپ کی نظر ان کے جوتوں پر جا پڑی جو کہ سیاہ گرگابی تھے۔

اسی وقت آپ پر جلالی کیفیت طاری ہوئی۔ وہ صاحب مسلسل اردو زبان میں معذرت کرنے لگے اور وعدہ کرنے لگے کہ آئندہ کبھی نہ پہنیں گے۔ اسی دوران آپ اٹھ کر ان کے پاس چلے گئے اور ان کی گرگابی کو پکڑ کر ناپنے لگے جب آپ کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا تو آپ نے میاں دین محمد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ ''میرا جوتا لے آؤ۔'' جب جوتا آگیا تو سب نے دیکھا یہ بالکل نیا جوتا تھا۔ آپ نے اپنا نیا جوتا ان صاحب کو پیش کیا اور فرمایا کہ ان کو پہن لیں۔ جب جوتے ان کے پاؤں میں پورے آگئے تو آپ نے فرمایا کہ اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔ مگر ان صاحب کا اصرار تھا کہ آپ یہ جوتے رکھ لیں میں دوسرے جوتے ابھی بازار سے خرید لوں گا مگر آپ نے شدید ترین اصرار سے ان کو عطا فرما دیئے۔

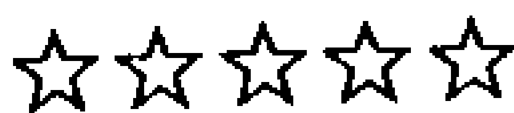


''انقلاب حقیقت'' میں صاحبزادہ عمر صاحب صفحہ نمبر 29 پر فرماتے ہیں کہ

میری موجودگی میں ایک صاحب بزرگانہ صورت تشریف لائے جن کو آپ نے کئی بار یاد بھی کیا تھا اور حضرت شاہ صاحب کے متوسلوں سے تھے اور تھانہ شرقپور میں کسی زمانہ میں حوالدار رہ چکے ہیں اب فقر کی لگن میں ملازمت سے الگ اور سیاح ہو چکے تھے۔

باہر گورستان ڈاہرانوالہ میں انہوں نے ڈیرا کیا۔ بہت کچھ سنتے سناتے تھے۔ قمیض پہنی ہوئی تھی اور بالکل سادہ لباس تھے۔ ان کے ساتھ آپ مجلس خاص فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن تو گزر گیا۔ آپ نے نہ ٹوکا۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا۔ ''یہ خلاف سنت ہے اور تشابہ بہ نصاریٰ'' انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آپ نے ان کی آستیں پکڑ کر کف پھاڑ دیئے، انہوں نے ہر چند کہا میں خود پھاڑتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تکلیف میں ہی کر لیتا ہوں۔ آپ کیوں کریں۔'' چوتھے روز جمعہ تھا۔ نیا کرتا پہنا دیا۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں پانی پت گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ تو بلا عمامہ ٹوپی ہی سے جماعت کرانے لگے۔ آپ نے فرمایا میں نے تو دیکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ٹوپی اور عمامہ سے جماعت فرمایا کرتے تھے یہ کس دربار سے آئی۔ امام صاحب نے کہا کہ یہ دربار انگریزی سے اجازت ملی ہے کہ دربار میں ٹوپی ہی سے آجایا کرو۔ اتنے میں میں نے اپنی پگڑی نصفا نصف کر دی۔ ایک نصف ان کے سر پر بند ہوا دیا۔ دوسرا نصف اپنے سر رکھ لیا اور کہا کہ اب جماعت کراؤ۔ تو وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے جب ان کو معلوم ہوا تو معافی مانگی۔



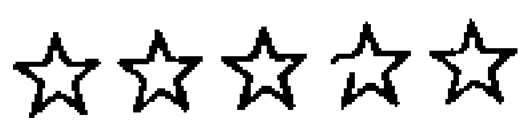
جمعہ کے دن آپ کا معمول مطابق سنت سید آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا کہ آپ غسل فرمانے۔ لباس تبدیل فرماتے۔ ملنے والوں کے لئے یہ دن انتظار کا ہوتا تھا اور بہت سے لوگ جمع ہو جاتے۔ تو آپ کو نیچے تشریف لانے

کا موقع ملتا۔ ایک جمعہ کو آپ جب بالاخانہ سے تشریف لائے۔ تو زائرین سے مکان پر تھا۔ آپ حسب عادت داہنے طرف سے دیکھنے لگے اور برابر بائیں طرف نظر دوڑاتے گئے۔ مگر خلاف عادت بائیں طرف سے ملنا شروع کیا۔ پہلے شخص کو بلا تردد فرمایا۔ کہ مسجد کو چلے جاؤ۔ دوسرے کو دیکھ کر بھی یہ ہی فرمایا تیسرے کے پاس آکر دو زانو آپ بیٹھ گئے اور اس کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھا اور پوچھا کیا نام ہے۔ اس نے عرض کیا بہاؤلہ آپ نے فرمایا بہاؤلہ کیا ہے۔ بہاؤالدین نام ہوگا۔ ساتھ ہی آپ اپنا ہاتھ بڑھاتے گئے اور اس کی منڈی ہوئی داڑھی پر جا رکھا کہ بہاؤالدین یہ کیا نام بہاؤالدین اور چہرا یہ۔ مسلمان کے مسلمان، بے ایمان کے بے ایمان۔ پھر تو اتنا جذب آیا کہ آپ بے اختیار ہو کر اس کی دونوں موچھیں پکڑ کر زور زور سے کھینچنے لگے اور فرمانے لگے تمہارا کلمہ تو یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ اور آہستہ سے طمانچے بھی چند لگائے۔

بعد ازاں دریافت کیا کہ کس کے ہمراہ آئے۔ اس نے کہا میاں صاحب کے ہمراہ۔ آپ نے کہا کون سے تو اس نے ایک آدمی چھوڑ کر دوسرے کی طرف اشارہ کیا آپ اس کو چھوڑ کر میاں صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میاں صاحب ایک خوبصورت پچیس سالہ داڑھی صفا نوجوان تھے۔ آپ نے نام پوچھا تو کہا حسین۔ آپ نے فرمایا کیا حسن ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا منہ دائیں بائیں پھرایا اور فرمایا دیکھو۔ یہ حسین کی شکل ہے یہ حسین ہے۔ اتنے میں دو تین طمانچے آپ نے رسید کر دیئے۔ بعدازاں فرمایا کہ کہو۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ۔ لا الہ الا لندن کعبۃ اللہ۔ وہ بے چارہ ہیبت سے لرز رہا تھا اور مجلس بھی دم بخود تھی اور برابر پڑھ رہا تھا پھر آپ نے دریافت کیا کہ باپ دادا بھی دیکھے تھے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں آپ نے فرمایا کہ ان کی صورت بھی یہی تھی؟ اس نے کہا جی نہیں فرمایا کہ پھر تجھے کیا

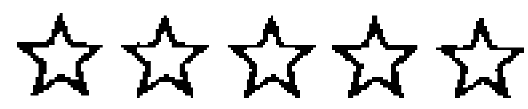
ہوگیا۔ میں نے سنا ہے کہ بزرگ تھے۔ ان کی قبر پر اب بھی لوگ حاجات طلب کے لئے جاتے ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہوگیا۔ پھر دو چار طمانچے اور لگا دیئے۔ بعدازاں فرمایا کہ کتنے مربعوں کے مالک ہو۔ اس نے کہا کہ چودہ کے۔ آپ نے پھر دو طمانچے لگائے کہ اللہ نے اتنا دے رکھا ہے اور پھر یہ حالت پھر فرمایا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بعد ازاں پوچھا کیا کرتے ہو اس نے کہا ذیلدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے۔ اس نے عرض کیا کہ کپتان آیا ہوا ہے۔ اس سے کچھ کام تھا۔ آپ نے نہایت نرم طبیعت سے فرمایا کہ لوگوں کے فیصلے گھر ہی کر دیا کرو۔ جتنا ہو سکے گھر ہی نمٹایا کرو۔ صورت و سیرت مسلمانوں کی پیدا کرو۔ انگریزوں کے افسر جو گھر آجائیں۔ ان کی خدمت کر کے ان کو ٹال دو اور خود ان کے پیچھے نہ دوڑا کرو۔ اب تمہاری پیشی صاحب کے پاس کس وقت ہے۔ وہ چونکہ آپ کی طبیعت سے ناواقف تھا اس لئے اسے کچھ معلوم نہ ہوا بلکہ حیران اس نے سمجھا کہ شاید پھر کچھ تادیب ہو۔ پھر فرمایا کہ دوپہر کا کھانا یہاں ہی کھانا بعدازاں اس کا ہاتھ پکڑا اوپر کی منزل میں اسے لے گئے۔

رمز شناسوں نے کہا کہ مار پیٹ تو بہت کھائی۔ لیکن حسین جس کام کے لئے آیا تھا۔ وہ ہوگیا۔

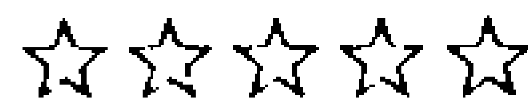


ایک دن امام دین خادم عصر کے وقت نلکہ سے پانی بھر رہا تھا' اور اس بیچارے کو وقت معلوم نہ ہوا۔ آپ یک دم نہ معلوم کیوں نیچے تشریف لائے۔ سوائے امام دین کے اندر کوئی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو جماعت پر نہیں گیا۔ وہ بہرا تھا چنانچہ خاموش رہا۔ آپ غصہ سے بے تاب ہوگئے اور بار بار فرماتے کہ تمہارے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے جماعت کی پرواہ نہیں کی۔ لیکن

اس نے کچھ نہ سنا۔ اتنے میں میاں دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے تو آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں یہاں سے چلا جاتا، انہوں نے کہا بہرا ہے سنتا نہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اب کی تو گزر گئی کہ تو نے سنا نہیں آئندہ جماعت میں نہ پہنچو گے تو نکال دوں گا۔



''انقلاب حقیقت'' کے صفحہ 52 پر صاحبزادہ عمر صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ''ایک بار میں اور ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک سید صاحب اور ایک گجرات کے رہنے والے مولوی صاحب اکٹھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ مراقبہ فرمایا کرتے۔ ایک دن حسب معمول تشریف لائے اور اپنا ہاتھ مبارک شاہ صاحب کے زانو پر رکھا ان کے آنسو فوراً گرنے لگے۔ بعدازاں دوسرا ہاتھ مولوی صاحب کے زانو پر جا ٹکایا اور اپنے بازوؤں پر زور دے کر آپ نے جو اکڑائے۔ دونوں کے آنسو بارش کے قطروں کی طرح گرتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ انہیں تو اثر ہوگیا ہے۔ میں محروم سخت دل ہوں۔ آپ ذرا بڑھ کر میرے قریب تشریف لائے اور دست مبارک میرے زانو پر بھی رکھا۔ کیا کہوں رکھنے بھی نہ پائے تھے کہ میری حالت بھی وہی ہوگئی۔



صاحبزادہ عمر صاحب فرماتے ہیں کہ ''جب پہلی بار میاں دوست محمد صاحب میرے ہمراہ گئے تو مجھے کہا کہ حضرت سے میری بابت کچھ عرض کرنا۔ میں سخت گنہگار ہوں۔ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ لیکن اس جاہ وعظمت کے شہنشاہ کے سامنے مجھے کیا مجال کہ عرض خود بخود کرتا آپ'' کا معمول تھا کہ کسی کے خادم یا رفیق و تابع سے کچھ نہ پوچھتے۔ آپ نے ان سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اسی طرح دو دن گزر گئے تیسرے دن جب میں مکان شریف سے ضرورت کے لئے باہر نکلا تو دوست محمد صاحب بھی میرے ہمراہ ہوئے اور

کہنے لگے کہ تمہارے ہمراہ تو میں اس غرض سے آیا کہ آپ توجہ زیادہ میرے حال پر فرمائیں گے یہاں الٹا کام ہے۔ تم ضرور آج کچھ میرے بارے کہنا تاکہ آپ کی توجہ میری طرف زیادہ ہو۔

یہ صاحب فوجی ملازمت میں مصر، فرانس، عرب وغیرہ دیکھ آئے تھے اور اپنے منہ سے کہتے تھے کہ میری حالت بہت خراب ہے اور درحقیقت تھی بھی ایسی ہی جب باوضو ہوکر مکان کے اندر داخل ہوئے تو حضورؒ برسنے والے بادل کی طرح تشریف لائے اور خود بخود فرمایا کہ "یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کا تعلق تم سے کیا ہے؟" میں نے عرض کی کہ قریب کے رہنے والے ہیں مجھ سے کچھ ترجمہ پڑھتے ہیں بعدازاں آپ بالاخانے پر تشریف لے گئے اور مجھے بلوایا حاضر ہوا تو فرمایا۔ "کہ ان کی کیا حالت ہے۔" میں نے کہا پہلے تو بہت خراب تھی۔ اب اچھی ہے۔ آپؒ نے فرمایا۔ "ہاں اب تو کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا۔" میں نے عرض کہا کہ آپ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ "یہیں بلا کر کچھ کہہ دو۔" میں نے عرض کیا کہ نہیں حضور خود ہی کچھ فرمائیں۔ ازاں بعد فرمایا اچھا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔ میں نیچے چلا آیا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا لیکن حضور کو اس دن تو موقع نہ ملا اور تشریف نہ لائے جب باہر نکلے تو میاں دوست محمد صاحب نے دریافت کیا سب حقیقت کہہ سنائی۔ میں نے کہا ہاں کہہ ڈالی تھی۔ کہنے لگا کہ ساری حقیقت تو نہ کھولتے۔ بدکرداری کا خیال کرکے شاید توجہ تک نہ فرمائیں۔ میں نے کہا میں نے اسی واسطے تمام حقیقت کہہ دی کہ زیادہ نظر رحمت فرمادیں۔

الغرض دوسرے دن آپ تشریف لائے اور ایک دم آپ مراقبہ میں ہوگئے ابھی ایک منٹ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ان کو حالت اور وجد ہوگیا۔ گھنٹہ بھر آپ مراقبہ میں رہے اور وہ بدستور اسی حالت ہو ہائے میں سر دھن رہے ہیں۔ بعدازاں حضور قبلہ چپکے سے تشریف لے گئے، انہیں بعد میں افاقہ

ہوا لیکن بخار ہوگیا۔ یہ ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا کا حاصل۔

درمیان کے واقعات چھوڑ کر اپنے مدعا کی طرف جاتا ہوں۔ جب چلنے لگے تو مجھے اجازت ہوگئی۔ تو ..ست محمد نے کہا کہ اگر اجازت مل جائے تو میں بالاخانے پر جا کر حضور سے ذکر کی تلقین لے آؤں۔ اجازت کے بعد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ آپ نے تبسم فرمایا ۔''کہ یوں ہی ھو ھو کر رہے تھے۔''

الغرض اپالت کے لئے آپ کچھ نہ فرماتے یہ خیال کرنا یا نہ کرنا بلکہ مراقبہ کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے گاہ گاہ حسب طبیعت باتیں سرزد ہوتیں۔

ایک بار آپؒ مراقب ہوئے۔ جب کہ میری باطنی حالت بالکل نادرست تھی اور ابتدا تھی۔ طبیعت میں تذبذب (تردد) پریانی وغیرہ عالم مراقبہ میں بھی ہوتی۔ آپؒ نے سر اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔

میں سمجھ گیا کہ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائی نہیں بنتی

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

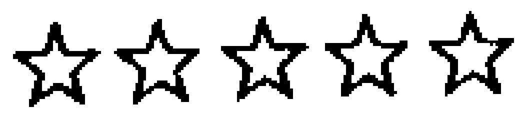
یاس زیادہ ہوگئی اور امید وصول کم۔ یہ یاد نہیں اسی حاضری میں یا دوسری حاضری میں اپ نے اپنے روشن ضمیر سے یہ بات دیکھ لی اور فرمایا ''کہ اپنی طرف سے تو کوشش فرض ہے۔'' کوشش انسان کبھی نہ چھوڑے لیکن بھروسا اس پر ہونا چاہئے'' اگر وہ کوشش بارآور فرما دے یہی عین سعادت ہے۔'' لیکن تقریباً دو سال بعد آپ نے ایک طویل مراقبہ کے بعد عالم محویت اور استغراق میں مندرجہ ذیل اشعار نہایت درد سے بے ساختہ پڑھے۔

بہ نفی الا اللہ از خود رہانم

شود اثبات الا اللہ رجانم
زجام بے خود یہا ساز مستم
فنا غارت کمند سامان ہستم
خیال غیر از من دور گرداں
بدرد عشق کود رنجور گرداں
مراد من تو باش در دو عالم
زجانم بر نیائد جز خدا دم
حدیث مصطفیٰ صوت وہانم
کلام اللہ باشد بر زبانم



ایک بار سرگودھا کے قریب رہنے والے ایک مولوی صاحب آئے جن کا تعلق روحانی حضرت قبلہ میروی رحمتہ اللہ علیہ سے تھا۔ حاضر ہوئے تو آپ نے حسب دستور و معمول وقوف قلبی کی تاکید فرمائی اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ ان کو مسجد سے گئے ہوئے ہوں گے کہ واپس آ گئے جانے سے پہلے بھی میں نے ان کو دیکھا تھا۔ باتیں کی تھیں۔ آئے تو حالت ہی بدل گئی خاموش سرافتادہ۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ صرف وقوف قلبی فرمایا بلکہ یہ بھی ان کی طرف سے تھا۔ آپ ایسی اصطلاحات صوفیہ کبھی اپنی زبان پر نہ لاتے اور طالب مفت کے جنجال میں نہ پھنساتے سیدھے سادھے الفاظ میں جو کچھ فرمانا ہوتا فرما دیتے۔



ایک بزرگ حضرت قبلہ مہر علی شاہ صاحب مدظلہ کے مریدوں سے حاضر ہوئے ان کی ریش نصف سے کم سفید تھی اور کپڑے پرانے اور بوسیدہ آن قدوۃ السالکین تشریف لائے۔ ان سے دریافت حال کیا۔ فرمایا کہ اللہ الصمد پڑھتے ہو

تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ تو حضور نے فرمایا کہ دو نام ہیں۔ اللہ الصمد لیکن وہ اس مرکز کو نہ تاڑ سکے۔ فرمایا کہ پیر صاحب کے پیو (پیر) سیال شریف والے تھے؟ انہوں نے کہا کہ جی فرمایا ''کہ وہ انگریزوں کے اندر (ملک میں) بھی رہتے تھے لیکن ان سے باہر (بے تعلق) بھی تھے فرمایا کہ مومن کا نشان ہے۔

از حسد اول تو دل را پاک دار

بعدازاں آپ ان کے چہرے پر ہاتھ ملتے جاتے اور فرماتے یہ ''نور ایمان ہے یہ نور ایمان ہے'' معلوم نہیں کتنی دیر آپ اسی طرح کرتے رہے کہ ان کا چہرہ آہستہ آہستہ بدل گیا اور ایک گھڑی کے اندر ہی آفتاب کی طرح ان کے چہرہ سے نور برسنے لگا یہ ہے ید بیضا کہ جس کو مس بھی کر گیا۔ آفتاب بنا گیا۔

☆☆☆☆☆

ایک معمر بزرگ سانگلہ ہل کی مسجد تعمیر کردہ حاجی محمد دین صاحب فاروق گجراتی کے امام آئے آپ نے دریافت فرمایا۔ ''کہ کیا کرتے ہو۔'' انہوں نے کہا کہ مسجد کا امام ہوں لیکن دوسرے ملاؤں کی طرح نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کیسے۔'' انہوں نے کہا کہ وہ تو مسجد کے وظیفے کھاتے ہیں۔ فرمایا۔ ''اگر کھاتے ہیں تو کیا مضائقہ۔ آخر آپ کیا کھاتے ہیں۔'' انہوں نے کہا کہ حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ فرمایا تو پھر یہ کیا ہے؟ (مسجد ہی کا نہیں تو)

بعدازاں آپ نے توجہ تو کسی اور طرف ظاہراً کردی اور کسی اور سے مخاطب ہوگئے لیکن چپکے سے اپنی شہادت کی انگلی ان کے قلب پر جا ٹکائی۔ ابھی سینہ سے مس ہی کیا ہوگا کہ انہیں حال (وجد) ہوگیا۔ پگڑی گر گئی اور دیر تک سر پٹکتے رہے۔ یہ ہے توجہ اور یہ ہے تصرف قلبی اللہ تعالیٰ حضور کو علاء علیین اور اپنے قرب و منزلت عنایت فرما کر تا قیامت ان کے روح مبارک پر رحمت برسائے۔ آمین ثمہ آمین۔

☆☆☆☆☆

ایک سابری خاندان کے معمر آدمی صوفیانہ لباس میں جمعہ کے دن عصر کے بعد آپ سے ملے۔ آپ کی طبیعت نہایت ہشاش بشاش اور چہرہ مبارک مہتاب کی طرح دمک رہا تھا کئی ایک سوال انہوں نے کئے لیکن وہ اتنے صاحب فراست نہ تھے۔ آخر آپ نے صابر کے یہ دو شعر نہایت ذوق و شوق سے پڑھے اور فرمایا کہ یہ تو آپ کے صابر صاحب فرماتے ہیں۔ پھر ادھر ادھر کیوں پوچھتے پھرتے ہو۔ اس پر عمل کرو۔

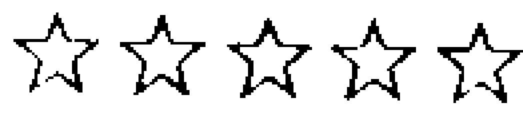
ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے
تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے
اس قدر اس میں ڈوب اے صابر
کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

☆☆☆☆☆

ایک بزرگ مولانا غلام الرسول صاحب قصوریؒ کے مجازوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باتوں کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ کتنے لطیف ہیں اور ان پر کیا حالات وارد ہوتے ہیں۔ (اس سوال سے ان کو ایک خاص غرض کسی کے حال پر متوجہ کرنے کی تھی' آپ نے ایک دو بار تو ان کو ٹال دیا لیکن وہ نہ سمجھے آخر آپ جوش میں آ کر فرمانے لگے۔ سارا جسم ہی لطیفوں سے پر ہے اور ایک ایک جگہ ان کے جام پر ہاتھ رکھتے تھے کہ یہ لطیفہ ہے یہ لطیفہ ہے' یہ ہے' یہ ہے' وہ کہتے جاتے کہ جی ہاں جی ہاں آخر فرمایا لطیفوں سے کیا ہوتا ہے نسبت ہے تو صدیقی اور گھر ہے مال سے پر' صدیق صاحب نے تو ایک پیسہ بھی گھر میں نہیں رکھا تھا اس نسبت سے کیا فائدہ) اور وہ بیچارے بغل میں لئے ہوئے یہ فرماتے جاتے تھے کہ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ سبحان اللہ کتنی بلند بات فرما گئے کوئی ایسا نظر آتا ہے؟

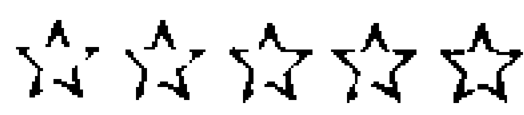
☆☆☆☆☆

ایک جوان خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اسے کھڑا کر دیا اور اپنے دست مبارک سے دونوں قدموں میں فاصلہ ناپ کر فرمایا کہ نماز پڑھتے وقت دل میں کہا کرو کہ الٰہ العالمین۔ میں نے اپنا منہ تیری طرف کیا ہے۔ اب تو میرے دل کو بھی اپنی طرف پھیر دے کیونکہ وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔



ایک بار لاہور کے ایک بڑے فاضل اور ایک بڑے معروف کالج کے پروفیسر سے آپ نے کچھ بیان فرمایا تو انہوں نے کہا کہ آپ تو حال بیان فرما رہے ہیں ہم صاحب قال' حال کو کیا جانیں۔ آپ کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب یہ قرآن تمام قال ہی قال ہے؟'' اس پر وہ ایسے دم بخود ہوئے کہ پھر نہ بولے۔ آپ کسی سے تکرار نہ فرماتے نہ الجھتے بلکہ باطائف الحیل سمجھاتے۔ اکثر عادت مبارک تھی کہ استفسارانہ لب و لہجہ ہوتا اور استقرائی طریقہ سے چلتے اور باطنی توجہ سے زیادہ کام لیتے۔ چنانچہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے۔

ایک بار فرمایا کہ آیت شریفہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے بعد آیت شریفہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا کیوں لائے؟ یعنی ان کا تعلق خاص درود شریف کے مانعین کے حق میں ہے جو اپنی طرح ان کو بشر کہہ کر خطاب ندائیہ ناجائز کہتے ہیں۔



صاحبزادہ محمد عمر صاحب ''انقلاب حقیقت'' کے صفحہ نمبر ۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''میاں احمد دین سکنہ بھکر بار ضلع شاہ پور میرے قریب کے رہنے والے اور مجھ سے تقریباً اڑھائی سال پہلے حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اس درجہ پہنچ گئے تھے کہ ایک بار جب وہ

اپنے پیر و مرشد رحمت اللہ علیہ کی زیارت کے لئے جارہے تھے اور مجھے اس وقت تعلق کہیں پیدا نہ تھا۔ گاڑی میں سوار ہوا تو گاڑی میں موجود تھے۔ عجیب کیفیت سے لبریز بیٹھے تھے مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنی حالت میں پھر بیٹھ گئے۔ میں بار بار ان کا چہرہ دیکھتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ الٰہی یہ کیا دولت ہے جو انہیں نصیب ہے اور جس سے یہ کیفیت مستانہ میں بے تاب غرق ہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہ کاش کہیں میرا بھی ایسا تعلق ہوتا۔ تو میں بھی اس لذت سے شناسا ہوتا۔

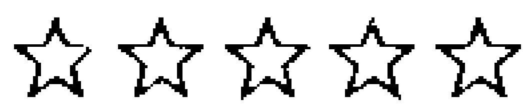
جس کسی نے ان کا چہرہ دیکھا وہی ان کی اس حلاوت کا مقر ہے اور ان کے اس جمال کا معترف لیکن دربار حضرت قبلہ روحی فداہ میں یہ حالت ہے کہ آتے ہی دھتکارے جاتے ہیں۔ گر پروانہ محبت کا یہ حالت ہے کہ سینکڑوں میل واپس آکر دوسرے دن بلاارادہ پھر پاپیادہ شرقپور شریف کا راستہ لے لیتا ہے۔

دوسری بار جب حضور قبلہ روحی فداہ مجھے اپنے ہمراہ مکان شریف لے گئے تو میاں احمد دین وہاں موجود تھے اور حضرت نے انہیں ارشاد فرمایا تھا کہ ''روضہ شریف میں رہو۔'' اور عرس کے بعد حضور نے اپنی جیب خاص سے پانچ روپیہ کرایہ دے کر براستہ نارووال رخصت فرمایا۔ لیکن جب ہم شرقپور شریف واپس گئے اور چند دن گزر گئے تو وہ مردخدا بھی گھر سے پاپیادہ پھر پہنچ گیا۔ خادموں نے انہیں کہا کہ حضرت میاں صاحب کے سامنے نہ ہونا۔ آپ ناراض ہوں گے۔ مرحوم بیچارہ بلاشرف زیارت شرقپور شریف کی دیواروں سے بغل گیر ہوتا ہوا واپس چلا آیا۔

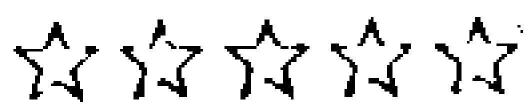
ایک بار جمعہ کو حاضر ہوئے اور کھانے بیٹھے ہی تھے کہ حضور بالا خانے سے تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر خادم سے فرمایا کہ اسے نکال دو۔ میاں احمد دین حضرت میاں صاحب کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتے جاتے تھے اور زبانی عرض کرتے جاتے کہ کتے کو کہاں تک دھتکارو گے ابھی پھر واپس

آ جائے گا۔ حضور کی محبت بیتاب ہوگئی اور اپنے دست مبارک سے پکڑ کر پھر دسترخوان پر بٹھا دیا۔

ایک ایک ماہ میں کئی بار گھر پہنچ کر پھر جاتے۔ گھر میں زادراہ (کرایہ) نہ ہوتا تو پاپیادہ ہی چل دیتے۔ وقت ناوقت جب کبھی خیال آ جاتا تو چل دیتے۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا' کشتی کا موقعہ نہ ہوتا تو چھلانگ مار کر دریا میں کود پڑتے۔ غرض کوئی رکاوٹ یا مانع اس مرد عاشق کے سامنے حائل نہ تھا۔

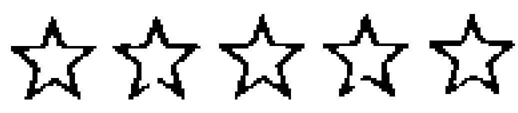


ایک بار حاضر ہوئے تو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ فرما رہے تھے ''کہ مرید صادق وہ ہے جو اپنی جان و مال پیر پر نثار کردے۔'' گھر آئے' تمام زیور' تمام برتن' تمام پارچہ جات لے کر الگ الگ گٹھڑیاں باندھ کر احباب سے کہا کہ آج حضور کی خدمت میں جانے کا ارادہ ہے۔ چونکہ یاران طریقت ان پر فدا تھے اور ان کے ہمراہ پیر و مرشد علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہونا سعادت عظمی جانتے تھے' اس لئے سب احباب ہمراہی کے لئے تیز ہو گئے گھر بلایا اور ان کو ایک ایک گٹھڑی حوالہ کی لیکن ان کو کچھ نہ بتلایا۔ سب ٹٹولتے تھے۔ لیکن کسی کو مجال دریافت نہ ہوئی حاضر ہوئے تو خادم کے سب حوالے کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں یہ تمام اشیاء لائے' تو میاں احمد دین نے عرض کیا حضور جان تو پہلے حاضر تھی مرید صادق بننے کے لئے یہ کمی تھی سو حاضر ہے۔ آپ نے (حضرت قبلہ روحی فداہ) سے فرمایا۔ ''او ہو تم نے سمجھا نہیں کوئی اپنے بیٹے سے بھی مال لیتا ہے۔'' جاؤ زیور اپنے گھر میں دینا کہ وہ ہماری بہو ہے اور برتن اور پارچہ جات والدہ کو کہ وہ ہماری ہمشیرہ ہے اس کے حوالے کر دینا۔ ایسی اشیاء کی یہاں کچھ ضرورت نہیں۔''

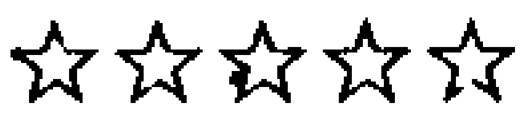


جناب محمد عمر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بار گنہگار حاضر تھا کہ ایک ہندو

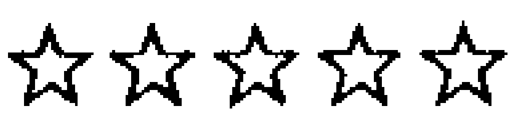
بابو حاضر ہوئے جو عملہ ڈاک خانہ میں سے تھے آپ تشریف لائے۔ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ حال و احوال دریافت فرمائے۔ کوئی تکلیف تو نہیں کون افسر ہیں' اور کیسا پھر فرمایا آج کیوں آئے عرض کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہوں۔ آپ اپنے دست مبارک سے حسب معمول دبانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ ''اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا۔ ''اگر اسی طرح ہر وقت رہے تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ لوگوں کو لوگوں سے معاملہ کم ہے۔ بیٹھے لکھتے رہے اور تو ہیں تو کرتے رہے۔''



ایک بار ایک ہندو معمر آئے تو آپ نے کچھ نقدی روٹی کے لئے عنایت فرما دی۔ وہ بے چارے آپ کی کرم بخشی اور مہمان نوازی سے ناواقف تھے۔ وہ انکار کرتے اور آپ اصرار فرماتے۔ پھر خادم سے آں قبلہ حاجات نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ یہ ضرور لے لیں۔ لیکن وہ سمجھے کہ شاید آپ ناراض ہیں کہ میرا ہدیہ بھی قبول نہیں فرمایا۔ الٹا اپنے پاس سے کچھ دیتے ہیں۔ آخر بہ ہزار دقت ان کو نقدی دی گئی کہ یہ تمہارے لئے برکت ہے اور یہ حضور کا خاصہ ہے' ناراض نہیں۔



ایک بار ایک جوان کشمیری کو رخصت فرمایا اور آپ بھی اوپر جانے لگے جو ان کی طبیعت بھر گئی۔ آپ نے چہرہ کو دیکھ کر فرمایا ''اچھا دو تین دن اور یہاں رہ لو۔'' حضور تو تشریف لے گئے لیکن یہ جوان اس درد سے پھوٹ پڑا کہ گویا پانی کا بھرا برتن ہاتھ سے گر پڑا۔



ایک نوجوان سید عالم دیوبند سے فارغ التحصیل گجرات شہر کے رہنے والے حاضر ہوئے اور زائرین میں سے دو آدمی ایک سید صاحب اور دوسرے

مولوی صاحب بھی ان کے ہمراہ جامعہ مسجد شرقپور میں گئے۔ یہ دونوں بزرگ میرے بھی واقف تھے۔ آپس میں بے تکلفانہ باتیں رات کو کرتے رہے۔ مجھے بھی بلایا لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی مجلسوں اور محفلوں کا انجام اپنے مقام پر کیا ہوتا ہے اور میں خود دل میں کڑھتا تھا کہ ان کو اتنی ہوش نہیں۔ مگر چونکہ وہ سید زادے تھے اور یہ مولوی اور اپنے اپنے زعم میں کچھ تھے بھی' میں نے کچھ نہ کہا لیکن دل میں ضرور تھا کہ اب دیکھئے صبح کو کیا پیش آئے۔ صبح کو حضور نے بلا دریافت رخصت فرمایا۔ گو ان میں سے ایک کی درخواست تحریری گزری اور مدت کے آنے جانے والے تھے لیکن کچھ بھی التفات نہ فرمائی اور مولوی صاحب جو کئی دن میرے ہمراہ حضور کے خاص مہربانیوں کا مورد ہو چکے تھے اور آپ نے کئی بار خلوت میں ان سے باتیں کی تھیں۔ مگر اب کے نام تک دریافت نہ فرمایا۔ بلکہ توجہ تک نہ کی۔ تیسرے جوان ایک دو بار آئے تھے اور اس مرتبہ کوئی عالم رویا کا واقعہ دیکھ کر آئے تھے۔ ان کی طبیعت بھر آئی۔ آپ نے ان کا چہرہ دیکھ کر فرمایا کہ اچھا تم کسی قدر ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ بالاخانہ پر بلا کر کچھ فرمایا۔

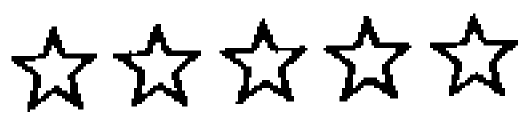
☆☆☆☆☆

ایک دفعہ کئی آدمی لدھیانہ کے آئے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی۔ پھر فرمایا کہ کیا کام کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کہ کہ سفید باف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو عجیب بات ہے' ایک طرف سے نال ڈالی تو یا رحیم کہا دوسری طرف ڈالی تو یا کریم اور دیر تک اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے رہے اور زبان سے یا رحیم یا کریم کہتے رہے۔ سبحان اللہ۔ عجیب حال تھا۔ آنکھیں بند تھیں ہاتھ زبان کے ساتھ برابر چلتے تھے اور معلوم نہیں' خود حضور کس عالم میں تھے۔

☆☆☆☆☆

ایک بار دو آدمی جوان خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے ایک کو فرمایا کہ کیوں

آئے؟ اس نے عرض کی کہ گنہگار ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ''آئندہ گناہ نہ کرنا۔'' اس نے کہا کہ آئندہ کے لئے تو گھر میں ہی توبہ کر کے آیا۔ میں تو گزشتہ گناہوں کے لئے حاضر ہوا ہوں اس پر آپ نے فرمایا۔ تم نے مجھے کیا سمجھا۔ لیکن خوشی سے چہرہ مبارک سرخ تھا اس نے عرض کی کہ ''شیر سمجھ کر آیا۔'' بس پھر کیا تھا۔ چہرہ مبارک روشن تر ہوگیا۔ گویا بدر ہے مگر چونکہ وہ دل سے کہہ رہا تھا اس لئے خلاف عادت زبان مبارک سے کچھ بھی نہ فرمایا بلکہ مہر پدری کی طرح برس پڑے اور نہایت محبت سے تلقین ذکر فرمائی۔



جناب محمد عمر صاحب فرماتے ہیں کہ شرقپور شریف میں زمیندارہ بینک کی بنیاد قائم ہوئی۔ تو آپ کو پتہ لگا ذیلدار صاحب خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے سخت ڈانٹ فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں نے سود کھانے شروع کئے۔ خدا تعالیٰ تمہیں سخت ذلیل کرے گا۔ تم کتے کی طرح بھونکو گے۔

لیکن دنیا بڑی میٹھی ہے کون رکے۔ بینک تو قائم ہوگیا لیکن ذیلدار صاحب اور دیگر اراکین بینک پر وہ وقت آ گیا کہ ہتھکڑیاں ان کے لئے آ موجود ہوئیں۔

عین اسی دن یہ بندہ بھی حاضر تھا۔ کہ جب ڈپٹی انسپکٹر جنرل زمیندارہ بنک ملک نون صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے موقع پا کر ذیلدار صاحب بھی حضور کی خدمت میں رونے لگے کہ آپ سفارش کریں تو بچتے ہیں۔ ایک قرضہ زیادہ ہے دوسرا غبن کا الزام سر پر۔

خود حضور قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا کبھی کبھی جو کچھ میں منہ سے کہہ دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے۔

میں نے بنک قائم کرنے کے دن ان سے کہا تھا۔ ''کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمہارے لئے وبال ہوگا۔'' سو خدا نے ایسا ہی

کیا۔'' حضورؒ کی طبیعت بھی بشاش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی شریعت کو ذلیل کرنے والوں کی تذلیل سے خوش ہیں۔

☆☆☆☆☆

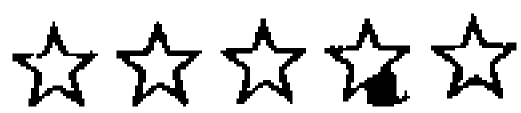
حضرت قبلہ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو پیری کی بابت (کہ ان کا دورہ سراسر رحمت ہوتا) احباب سے کہہ بیٹھتے تھے کہ بابا صاحب کی یہ بات مجھے پسند نہیں۔ حیا مانع آئی۔ مجھے خود تو نہ فرمایا۔ لیکن قاری اللہ بخش صاحب سے پہلی ملاقات میں فرما دیا۔'' کہ مجھے مریدوں پر جانا پسند نہیں۔ لیکن دل میں خیال آتا ہے کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے! میں تو کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی مزار کو نہ چھوڑیں۔ سب کچھ ہوتا رہے گا۔'' قاری صاحب نے مجھے بیان کیا میں نے کہا یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جو مجھ سے نہ ہو سکے طبیعت پہلے بھی غیور واقع ہوئی ہے۔ احباب کے کہنے اور بزرگان سلف رحمتہ اللہ علیہم کے طریق کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سرہند شریف جانے کے لئے شرقپور شریف سے روانہ ہوئے اور لاہور سٹیشن پر پہنچ کر سرہند شریف کے لئے ٹکٹیں خرید لی گئیں جس پلیٹ فارم پر گاڑی کھڑی تھی آپ اس طرح چل پڑے۔ راستہ میں پلیٹ فارم پر ایک پچیس سالہ سکھ نوجوان کھڑا تھا۔ جس کی اچھی پوشاک اس کے ذوق جمالیات کی غماز تھی۔ انگریزی لباس اس کے تیور بتا رہے تھے خاصہ تعلیم یافتہ ہے اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور دوسرا گھنی مونچھ کو بل دینے میں مصروف۔ غرور اور تمکنت اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ جب حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس سے گزرے تو دو قدم آگے جا کر آپ نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا اور واپس آ گئے۔ حضرت صاحب قبلہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے منہ پر پھیرے اور فرمایا ''یہ شکل تو

مسلمانوں جیسی ہے۔" اتنا کہہ کر آپ گاڑی میں جا بیٹھے اور وہ سکھ نوجوان آگ بگولہ ہوگیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی اور چہرہ لال بھبوکا ہوگیا۔

تھوڑی دیر وہ سکھ نوجوان سکتہ کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر اس نے اپنا ٹکٹ نکالا اور کہنے لگا "کسی نے گوجرانوالہ جانا ہے"؟ کوئی جواب نہ پا کر اس نے ٹکٹ ریل کی پٹڑی پر پھینک دیا اور تلاش کے بعد حضرت صاحب قبلہ کے پاس گاڑی میں جا بیٹھا۔ وہ خاموش تھا اور اس پر رقت طاری تھی آپ نے اسے کچھ نہ فرمایا بلکہ بابا مستری کرم دین مرحوم کو اشارہ کیا کہ وہ دوڑ کر اس کا ٹکٹ سرہند شریف کا لے آئے۔ سرہند شریف پہنچنے تک اس کا یہ عالم رہا اور وہ بالکل خاموش رہا۔ سرہند شریف پہنچے تو سب دوستوں نے وضو کیا اور وہ سکھ نوجوان نہا کر ساتھ ہولیا۔



"حدیث دلبراں میں درج ہے کہ "پنجاب کے "ماجھے" میں کون شخص تھا جو قادر بخش ڈاکو کے نام سے واقف نہ ہو۔ آج بھی اس علاقے کے بڑے بوڑھے اس کی دلیرانہ ڈاکہ زنی کی وارداتوں کے افسانے دیہاتیوں کے جھرمٹ میں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ چار ڈاکوؤں کی ٹولی میں "رائیاں" ضلع لاہور کے اس نامور سپوت کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس ڈاکہ زن ٹولی میں اکثر میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی موضوع بحث بنی رہتی۔ یہ لوگ تبصرہ کرتے ہوئے اکثر کہتے کہ معلوم نہیں اس شخص کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے جس سے کہ یہ سینکڑوں مہمانوں کو ہر روز کھانا کھلانے کے علاوہ اتنی دریا دلی اور فیاضی سے مستحقین میں سخاوت کرتے ہیں۔ ان کے پاس ضرور کوئی خزانہ ہے۔" آخر یہ فیصلہ ہوا کہ قادر بخش جو ان چاروں میں زیادہ سمجھدار، چالاک، بہادر اور نڈر ہے۔ وہاں جا کر اس بات کا سراغ لگائے کہ اتنی دولت کہاں سے آتی ہے اور اسے حاصل کرنے

کے مواقع کیسے میسر آسکتے ہیں۔ چنانچہ طے شدہ سکیم کے تحت قادر بخش شرقپور شریف میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر ایک مہمان کی حیثیت سے آپہنچا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ نووارد مہمانوں کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ان کو پوچھتے، عادت کے مطابق آپ قادر بخش کے پاس بھی آبیٹھے اور پیار سے پوچھا ''کہاں سے تشریف لائے ہو اور کیا نام ہے آپ کا'' اس نے عرض کی ''حضور! رائیاں ضلع لاہور کا رہنے والا ہوں اور قادر بخش نام ہے۔'' یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے تین بار کہا ''یا قادر! بخش! یا قادر! بخش! یا قادر! بخش۔''

اس کے بعد آپ نے دسترخوان بچھا کر کھانا رکھا اور اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر فرمایا۔'اچھی طرح کھاتے چلے جاؤ۔ کام تمہارا تو شاید ممکن نہیں۔''

قادر بخش بڑا گرانڈیل۔ قوی الجثہ اور طویل قامت جوان تھا۔ وہ دس بارہ روٹیاں ایک ہی وقت کے کھانے میں کھا جاتا تھا۔ وہ آٹھ دن متواتر یہاں مقیم رہا دولت و خزانے کے سراغ میں ہر چیز اور ہر جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیتا رہا لیکن یہ تو وہ دولت تھی جسے نہ چوروں کا خدشہ تھا نہ راہزن کا ڈر۔ یہ تو قدرت کے عطا کردہ پراسرار خزانے تھے جن تک پہنچنا قادر بخش کے بس کا روگ نہیں تھا بلکہ بڑے بڑوں کی نظریں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں نہ پہنچ سکیں۔

آخر اتنے دنوں کے بعد قادر بخش حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت لے کر روانہ ہونے لگا تو آپ نے تھوڑی سی چپاتیوں میں کچھ سالن لپیٹ کر اس کو باندھ دیں اور قصبہ کے باہر ''شیخانیوں'' کے کنویں تک اسے چھوڑنے گئے اور واپس آتے وقت اسے فرمایا ''ذرا خیال سے جانا۔'' اور قادر بخش اپنے گاؤں روانہ ہوگیا۔

شرقپور شریف سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا درختوں کا

ذخیرہ ہے اس میں ایک نہر بہتی ہے۔ جب قادر بخش اس نہر کے پار پہنچا تو بے ساختہ اس کی زبان پر ذکر الٰہی جاری ہوگیا اور وہ وجدانی کیفیت سے دوچار ہوا کپڑے پھاڑ ڈالے اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ آخر کار بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

چوبیس گھنٹے بے سدھ پڑا رہنے کے بعد آخر اس کے حواس کچھ درست ہوئے تو اپنے جسم پر نگاہ پڑی تو دیکھا کپڑے پھٹ جانے کی وجہ سے برہنہ ہوگیا ہے اور جسم پر خراشیں آگئی ہیں اور خون رس رہا ہے۔ اس نے اپنے پھٹے ہوئے پیراہن کی بکھری ہوئی دھجیاں اکٹھی کر کے اپنے جسم کے خاص حصوں کو ڈھانپا اور واپس شرقپور شریف چل پڑا۔ چیتھڑوں میں لپٹا ہوا یہ گرد آلود جوان جب نیم بے ہوشی کی حالت میں شرقپور شریف پہنچا تو اس نے حضرت صاحب قبلہ کو گلی کے سرے پر پہلے سے ہی منتظر پایا۔ اس کو دیکھ کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا ''تم تو بڑے نڈر اور بہادر تھے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ذرا دھیان سے جانا۔ تم تو تھوڑا سا بھی برداشت نہ کر سکے۔'' آپ اسے اندر بیٹھک میں لے آئے اور اندر سے اجلے کپڑے لا کر اسے پہنائے۔ بعد ازاں آپ نے اسے نماز ادا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی کہا ''پہلے تو قادر بخش ڈاکو تھا اب میاں قادر بخش ہو۔'' آپ کہتے تھے اب جاؤ تو وہ متواتر روئے جا رہا تھا اور ہاتھ جوڑ کر کہتا تھا ''حضور! اب میں جانے کے قابل نہیں رہا۔''

تاہم آپ نے اسے توبہ کرائی اور فرائض کی انجام دہی اور ذکر کی تلقین کرتے ہوئے اسے واپس گاؤں بھیج دیا۔ وہاں اس کے پرانے ساتھیوں نے اس مشن کے متعلق پوچھا جس پر اس کو بھیجا گیا تھا تو قادر بخش کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے روتے ہوئے کہا ''وہاں سے ہو آنے کے بعد اب میں تمہارے قابل نہیں رہا۔''

کہتے ہیں کچھ ہی دنوں بعد اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے ان

ساتھیوں نے بھی بری باتوں سے توبہ کرلی۔ قادر بخش اب قادر بخش نہ تھا بلکہ علاقہ بھر میں میاں قادر بخش کے نام سے مشہور تھا۔

وہ نہ صرف پابند صوم وصلوٰۃ تھا بلکہ تہجد کی اذان دیا کرتا اور لوگ اس کی تبلیغ اور اس کے کردار سے متاثر ہوکر اس کے ہمراہ نماز تہجد با جماعت ادا کیا کرتے۔

قادر بخش اکثر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس شرقپور آیا کرتا ایک دن اس نے عرض کی ''حضور! اب میں کیا کام کروں۔''

آپ نے فرمایا ''کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرنا۔''

حضور کے ارشاد سے وہ بڑا پریشان ہوا اور دل میں کہنے لگا ''میں تو بالکل ہی ان پڑھ ہوں۔ کچھ نہیں جانتا۔ یہ بات کیسے چلے گی'' کچھ دن کے بعد پھر اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔

''حضور! اب میں کیا کام کروں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا ''کسی کو کچھ دوا دارو بتا دیا کرنا۔''

دن ایسے ہی گزرتے گئے۔ ایک دن قادر بخش گاؤں میں ایک پنساری کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک بڑا زمیندار سکھ جس کا نام اچھی طرح یاد نہیں رہا غالباً سندر سنگھ تھا آرہا تھا اسے آتے دیکھ کر میاں قادر بخش کہنے لگا۔ ''تیری بیوی ایک عرصہ سے بعارضہ تپ دق بیمار ہے اور تم نے بڑے علاج کئے ہیں۔ کیا میں بھی اس کا علاج کروں۔''؟

یہ سن کر وہ سکھ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ حکیم تو ہے نہیں ازراہ مذاق کہا ''بڑی خوشی سے کرو میاں!''

قادر بخش نے کہا ''میں اس کا علاج کروں گا اور اسے آرام ہو جانے کے بعد ایک بھینس اعلیٰ قسم کی، ایک گھوڑ[illegible]ت اچھی نسل کی اور ایک سو روپیہ لوں گا۔''

اور سکھ زمیندار نے منظور کر لیا۔

میاں قادر بخش نے اس ہندو پنساری جس کی دکان پر وہ بیٹھا ہوا تھا سے کہا ''لالہ لکھو نسخہ'' اور چند ایک معمولی قسم کی چیزیں از قسم عناب، لسوڑیاں وغیرہ لکھوا دیں۔ یہ نسخہ سن کر وہ سکھ اور پنساری ہندو خوب ہنسے اور خوب مذاق اڑایا۔ لیکن میاں قادر بخش نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا ''ارے سندر سنگھ! تم نے بڑی تعداد میں بڑے قیمتی علاج کئے ہیں۔ میرے اس معمولی علاج سے تیری بیوی مر نہیں جائے گی۔ تین یوم کر کے دیکھ لو۔ اگر میرا اللہ شفا دے دے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔''

یہ باتیں سن کر سندر سنگھ نے نسخہ لے لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں حرج بھی کیا ہے علاج شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت! اس کی بیوی کو بتدریج افاقہ ہونے لگا۔ قریباً ایک ماہ بعد وہی چارپائی سے لگی ہوئی نحیف ونزار مریضہ خود چل کر میاں قادر بخش کے پاس آئی اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا ''میاں! چلو ہمارے بیلے میں اور اپنی حسب منشا ایک بھینس اور ایک گھوڑی لے لو۔'' یہاں قادر بخش ان کے ہمراہ بھینسوں کے گلہ میں پہنچا وہاں بڑی تعداد میں اچھی اچھی بھینسیں کھڑی تھیں اور چار عدد بڑھیا نسل کی گھوڑیاں، ان میں سے میاں قادر بخش نے اپنی پسند کی ایک بھینس اور ایک گھوڑی لے لی اس کے بعد اس سکھ زمیندار نے مبلغ ایک سو روپیہ پیش کرتے ہوئے کہا ''میاں جی! یہ سو روپیہ، بھینس اور گھوڑی تو آپ کا مانگا ہوا حق تھا اور اب ہم اپنی طرف سے ایک بھینس، ایک گھوڑی اور پانچ سو روپیہ آپ کی نذر کرتے ہیں۔'' لیکن میاں قادر بخش نے انکار کرتے ہوئے کہا ''میں نے جو کچھ کہا تھا، لے لیا ہے اس کے علاوہ ایک پائی بھی زائد نہیں لوں گا۔''

بس پھر کیا تھا میاں قادر بخش ایک حکیم کی حیثیت سے سارے ''ماجھے'' میں مشہور ہو گئے اور ان کے دروازے پر ہر وقت مریضوں کی بھیڑ رہنے لگی۔

میاں قادر بخش نے جس مریض کا علاج کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے شفا فرمائی جس بیمار کے معالجہ کے لئے وہ جاتا تھا جو کچھ لینا ہوتا تھا پہلے ہی طے کر لیا کرتا تھا اس علاقے کے اس زمانے کے لوگ جو ابھی بقید حیات ہیں سب میاں قادر بخش کے واقعات سے واقف ہیں اور آج بھی دست شفا رکھنے والے حکیم کی حیثیت سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کی ذات کو جانتی ہے۔

ایک دفعہ قادر بخش ماجھے کے ایک گاؤں ''ستو کی'' گیا ہوا تھا۔ ستو کی کے باشندوں کی اکثریت غیر مقلد وہابیوں پر مشتمل تھی۔ اسی دن جبکہ قادر بخش بھی وہاں گیا ہوا تھا مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد وہابی فرقہ کے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے عبدالستار کی کتاب پڑھ رہے تھے اس دوران میاں قادر بخش جو مسجد کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور جس کی علاقے کے سبھی فرقوں کے لوگ عزت و توقیر کرتے تھے باہر نکل آیا اور کہنے لگا ''میں بھی تمہیں کچھ سناؤں؟''

سب وہابی خوش ہو کر کہنے لگے ''میاں جی! ضرور سناؤ''

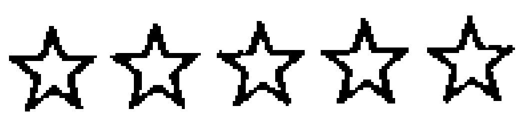
میاں قادر بخش نے نہایت پر سوز اور درد بھرے لہجہ میں پنجابی زبان میں کہا۔ ''نئیں ہیگا اے سارا جہاں اندر! میرے پیر دے نونہہ ورگا۔''

وہ تو یہ کہہ کر اندر چلا گیا اور عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اس کے درد بھرے الفاظ جادو بن کر لوگوں کے دلوں پر چھا گئے۔ سب پر رقت طاری تھی اور وہ رو رہ کر کہہ رہے تھے کہ اس چھوٹے سے فقرے سے دلوں کو وہ سرور حاصل ہوا ہے جو بڑی بڑی کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ عشق و محبت اور پیار والفت کی بات ہی اور ہے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی جن کمالات کی حامل تھی وہ تو آپ کا ہی حصہ ہے۔ جن پر ایک نظر ڈال دی وہ بھی منبع فیوضات بن گئے اور ایک دنیا ہے کہ ان سے فیض حاصل کر رہی ہے۔

نظر جنہاں دی کیمیا سونا کر دے وٹ

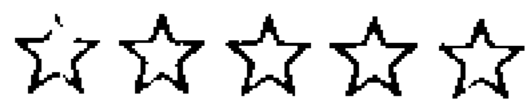
میاں قادر بخش اکثر حضور کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کی طبیعت جتنی شدت سے برائیوں کی طرف راغب تھی اب اتنی شدت سے ہی نیکیوں کی طرف بھی مائل ہوگئی تھی۔ وہ خوب دل لگا کر ذکر و فکر میں محو رہتا۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ بھی اسکی طرف خصوصی توجہ فرمایا کرتے۔ اس لئے اس کی طبیعت زوروں پر تھی ادھر حضرت صاحب قبلہ کی توجہ خصوصی ادھر اس کی طبیعت کا میلان۔ خوب رنگ چڑھا۔ میرے والد صاحب سے میاں قادر بخش کے خاصے دوستانہ مراسم تھے وہ اکثر ان کے پاس دکان پر آتا تھا۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ اس کی آنکھیں ہر وقت سرخ اور پرنم رہا کرتیں وہ اکثر منہ پر کپڑا ڈالے رہتا۔



ہندو پاک کے باشندوں کی اکثریت جانتی ہے کہ لاہور میں شاہ عالمی بازار لاہور کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور ہندو مہاجنوں کا ''گڑھ'' تھا۔ نہ صرف لاہور بلکہ پنجاب کی تمام ہندو آبادی کو شاہ عالمی بازار پر بڑا ناز تھا۔ اس بازار کی ننانوے فیصد آبادی اور تجارت ہندوؤں کی تھی اس علاقہ میں مسلمانوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ جیسے پنجاب کا دل لاہور ہے اسی طرح ہندوؤں کا دل شاہ عالمی دروازہ اور شاہ عالمی دروازہ کا دل ''مچھی ہٹہ'' تھا۔

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ شاہ عالمی بازار سے گزر رہے تھے بازار میں بہت بھیڑ تھی۔ چلتے چلتے جب آپ مچھی ہٹہ پہنچے تو آپ کو جوش آگیا آپ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ نے اسے تین بار زمین پر دے مارا اور کہا۔ ''یہ کب جلے گی۔ یہ کب جلے گی۔ یہ جلنی چاہئے۔''
ہمرائیوں نے عرض کی ''حضور! یہ ہندو کیا کہیں گے۔'' آپ فرمانے لگے۔ ''بازار کھلے ہو جانے چاہئیں۔''

اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ شاہ عالمی اور مچھی ہٹہ جیسے مضبوط قلعے جن کا جل جانا وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا کیسے جلے اور کس بری طرح جلے اور ہم نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی پیشگوئی کو حرف بہ حرف پورا ہوتے اس طرح بھی دیکھا کہ سابقہ شاہ عالمی اور مچھی ہٹہ نہ رہے اور اب اس کی جگہ ایک خوبصورت اور کشادہ بازار ہے۔



ایک دفعہ سرکار میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس کی داڑی موچھیں غائب تھیں۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''آ بھئی کرم چند! روٹی کھالو'' وہ کہنے لگا۔

''بس حضور! میں تو کھا کر آیا ہوں'' اور اس نے چند ایک دنیاوی کاموں کے لئے آپ سے عرض کی۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔

''چھوڑو یار، دنیاوی دھندوں کو نماز دل لگا کر پڑھا کرو'' اور آپ نے اسے رخصت کر دیا۔

والد صاحب کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ بعد بیرون موری گیٹ لاہور گھاس منڈی کے پاس ایک بزرگ صورت، دراز ریش آدمی ملا اور علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''مجھے پہچانتے ہو؟''

والد صاحب نے جب نفی میں جواب دیا تو وہ رو دیا اور آنسو پونچھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔

''میں وہی کرم چند ہوں جو سرکار کی خدمت میں شرقپور شریف حاضر ہوا تھا''

والد صاحب حیران رہ گئے۔ اب وہ ایک تہجد گزار متقی اور بزرگ سیرت انسان تھا۔ یہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی نظر کرم تھی سبحان اللہ!

موج میں آ گئے قطرے سے دریا کر دیا

والد صاحب نے پوچھا۔ ''جس کام کے لئے گئے تھے اس کا کیا بنا؟''

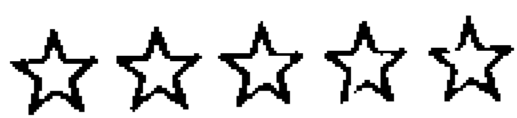
کہنے لگا ''وہ تو شرقپور شریف سے واپس پہنچنے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔''

ایک دن حضرت صاحب قبلہ گھر بیٹھک میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو کہنے لگا۔

''حضور! مجھے محمد انور کہتے ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ آپکی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ آپ نے اس سے بڑا پیار کیا اور اس کے چہرے پر دو تین دفعہ ہاتھ پھیرے اور کہنے لگے۔

''محمد انور کیسا پیارا نام ہے۔ کیا تم محمد انور ہو؟ ارے! نہیں۔ تم تو مولوی محمد انور ہو۔'' اسکے بعد وہ بیٹھک کے دوسرے حصہ میں جا بیٹھا۔ تین چار گھنٹے کے قیام کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا اور آپ نماز کے لئے مسجد جانے کو اٹھے تو آپ نے ایک آدمی سے کہا کہ مولوی محمد انور کو ساتھ لے لو۔ جب وہ بیٹھک سے باہر نکلا تو کوئی اسے پہچان نہیں رہا تھا کہ یہ وہی محمد انور ہے یا کوئی اور اس کا چہرہ مہتاب کی مانند روشن تھا اور نور کی کرنیں اس کی پیشانی سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ اس کے چہرہ کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ شرقپور شریف سے واپسی پر اس کی حالت بدل چکی تھی۔ وہ نیک اور پارسا بن گیا۔ اس نے دل لگا کر علم دین پڑھنا شروع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالم بن گیا واقعی سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کی مکمل تفسیر تھا۔



حاجی فضل احمد تحریر کرتے ہیں ضلع شاہ پور کا رہنے والا ایک آدمی (جس کا نام یاد نہیں رہا) اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا عقیدت مند تھا۔ اکثر و بیشتر سرکار کی خدمت میں آیا کرتا آپکو بھی اس سے بڑی محبت تھی اور حضور خاص توجہ فرمایا کرتے۔

شومئی قسمت اس نے کسی ایک آدمی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو اڑتا ہے! اڑتے اڑتے یہ بات حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ تک بھی جا پہنچی۔ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا آپ نے فرمایا۔

''اچھا! اب وہ اڑنے لگا ہے۔ بہتر اڑتا ہے تو اڑ جائے۔'' آپ کا یہ کہنا تھا کہ اس کی طبیعت یکسر خالی ہوگئی اور محویت رہی نہ وہ استغراق۔ کورے کا کورہ رہ گیا۔ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ تو پہلے ہی ناراض تھے۔ آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی کئی دفعہ آیا اور گیا لیکن وہ بات کہاں بلکہ جب وہ آتا آپ اٹھ کر اندر چلے جاتے۔ سال بھر آتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا ''تمہیں بغیر محنت کئے مفت میں کچھ مل گیا تھا تم نے قدر نہیں کی اور اسے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم سے اتنی محنت ہوگی اور نہ میرا خیال ہوگا۔''

اس ہونہار نے عرض کی ''حضور! آپ توجہ فرما دیں میں محنت کروں گا۔'' اور رخصت لے کر واپس اپنے گاؤں چلا گیا۔ واپس پہنچ کر اس نے عید گاہ میں ڈیرہ لگا لیا وہ گھر جاتا نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیتا۔ اس کا کھانا وہی عید گاہ پہنچا دیا جاتا۔

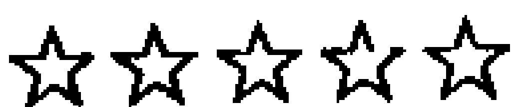
ایک سال تک اس نے ایسی محنت سے مراقبہ کیا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی گردن کے پاس سے تین انگل کے قریب باہر نکل آئی اور وہ پھر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ کے کے پاس شرقپور شریف حاضر ہوا۔ آپ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے عرض کی۔ ''حضور! میں نے اپنا کام کیا ہے۔ آپ اپنا کام کریں۔'' چنانچہ اگلے دن سحری کے وقت آپ نے اسے بلا کر سامنے بٹھا لیا اور توجہ فرمائی۔ قارئین شاید مبالغہ سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے دل کے سامنے سے گوشت کا ٹکڑہ الگ ہوگیا اور سامنے ''قلب'' جاری نظر آنے لگا۔ سبحان اللہ!

شرقپور شریف سے پھر وہ اپنے گاؤں میں عید گاہ جا پہنچا۔ اس کی حالت

پھر کیا ہوسکتی تھی؟ ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتا۔ اس پر محویت اور استغراق کا عالم طاری تھا۔ قلب تو جاری ہو چکا تھا اور وہ اپنے کام میں مشغول تھا۔ وہ ہر وقت لیٹا رہتا۔ علاقہ بھر کے لوگ اسے بزرگ ہستی ماننے لگے ایک دنیا تھی کہ اس کی زیارت سے مشرف ہونا باعث صد افتخار سمجھتی۔ ایسے انتھک منہمک اور مشغول انسانوں کے اجسام کب تک ایسے بار کے متحمل ہو سکے ہیں وہ اکثر بیمار رہنے لگا حتیٰ کہ چارپائی سے جالگا۔

چھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن اس نے اپنے نزدیکیوں سے کہا کہ ایک پلنگ لاؤ اور اس پر بستر لگا دو۔ چنانچہ پلنگ لا کر اس پر بہترین قسم کا بستر لگا دیا گیا اور انہی کے کہنے پر عید گاہ میں ایک لمبا سا کھیس بچھا کر راستہ بنا دیا۔ یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد اس نے کہا "مجھے کھڑا کر دیا جائے" چنانچہ دو آدمیوں نے اس کے بازو تھام کر اسے کھڑا کر دیا اور وہ ہاتھ باندھ کر کسی کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعتوں کے بعد وہ پکار پکار کر کہنے لگا "میری سرکار، سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ، نبیوں کے سرتاج، آقائے نامدار، مدنی تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لئے تشریف لا رہے ہیں۔" اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ چہرے پر نور برسنے لگا اور پیشانی دمکنے لگی۔ کہتے ہیں اب ایسا معلوم ہوتا تھا نوری گھٹائیں برس رہی ہیں۔ اس پر بے خودی سی طاری ہوگئی۔ وارفتگی و مدہوشی۔ کچھ لمحے اسی طرح وہ ساکت و جامد کھڑا رہا۔ پھر کہنے لگا "اب مجھے لٹا دو سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں واپس تشریف لے گئے ہیں۔" لوگوں نے اسے لٹا دیا اور دیکھا تو اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے اصلی اور حقیقی آشیانے کی طرف جا چکی تھی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔



حاجی فضل احمد تحریر کرتے ہیں کہ شاہدرہ کے پاس ہی کسی گاؤں میں بدمعاش قسم کا چلتا پرزہ ایک نوجوان رہتا تھا۔ جس کا نام علیا تھا۔ ایک دن وہ نوجوان حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حسب عادت آپ نے اس سے اس کا نام پوچھا تو وہ کہنے لگا۔ ''حضور! مجھے علیا کہتے ہیں۔'' یہ سنکر آپ نے جواب دیا ''تم علیا نہیں مولوی علی محمد ہو۔''

شرقپور شریف میں قیام کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو وہ ایک مست الحال فقیر تھا۔ نہ کسی سے بات کرتا نہ کسی کے پاس بیٹھتا۔ اس نے کسی ایک مداری سے بندریا حاصل کی اور اسے کاندھے پر بٹھائے گھومتا پھرتا۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے اسے دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے بیٹھا ہے اور مٹی کا پیالہ بھر بھر کر پانی باہر پھینک رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا! علی محمد یہ کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا ''دریا کا پانی نکال کر اسے خشک کر رہا ہوں۔''

کچھ دنوں بعد بعض لوگ اسے حضرت قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس لے آئے اور اس کی متغیر حالت کے متعلق سب کچھ عرض کر دیا۔ حالات سن کر آپ نے علی محمد سے فرمایا ''بھئی! ایسے تو نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ گاؤں میں خود نماز پڑھو اور دوسروں کو پڑھایا کرو۔'' اس کے بعد وہ نماز کا پابند ہوگیا بلکہ جب نماز کا وقت ہوتا تو لاٹھی تھام کر لوگوں کو ہانکتا مسجد میں لے جاتا اور نماز پڑھواتا۔ اسی سختی سے گاؤں کے لوگ تنگ آگئے اور حضرت قبلہ رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ نے علی محمد کو بلا کر سختی سے تنبیہہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

''مسجد میں بیٹھو نماز کی جماعت کروایا کرو اور وعظ و تلقین سے لوگوں کو نماز کی پابندی کے لئے تیار کرو۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد اور توجہ سے وہ مسجد میں بیٹھ گیا اس نے تعلیم بھی حاصل کر لی اور اپنے وعظ و نصیحت سے لوگوں میں رشد و

ہدایت کا چشمہ جاری کر دیا۔ لوگ اس کے فیض سے سیراب ہونے لگے۔ گاؤں کی اکثریت پابند صوم وصلوٰۃ ہوگئی اور وہ دور دور تک مولوی علی محمد کے نام سے مشہور ہوگیا۔



روایت ہے کہ آج سے ستر پچھتر سال پیشتر سعودی عرب کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ سعودی عرب کے باشندے غربت کی وجہ سے بڑے تنگ دست تھے ان کی زندگی بڑی عسرت میں گزرتی تھی۔ وہ نہ صرف حجاج کرام اور زائرین حرمین الشریفین کی خیرات و صدقات کے منتظر رہتے بلکہ کئی عربی باشندے مختلف خوشحال ملکوں خاص طور پر ہندوستان کی طرف رجوع کرتے جہاں عربی ہونے کے ناطے ان کی امداد اور خدمت کی جاتی۔ عرب شریف کا کوئی باشندہ شرقپور شریف آجاتا تو حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان سے بہت پیار کرتے اوردل و جان سے ان کی عزت وتکریم کرتے ہوئے مالی امداد بھی فرماتے۔

انہی دنوں ایک مفلس و غریب آدمی حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ سے مالی امداد کی آس لگائے شرقپورشریف کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کے دل میں خیال گزرا۔ حضرت میاں صاحب عرب باشندوں کی بڑی عزت اور خدمت کرتے ہیں کیوں نہ عربی لب ولہجہ اختیار کرکے عرب ہونے کا تاثر دیا جائے تاکہ سرکار میاں صاحبؒ سے اچھی خاصی مالی معاونت حاصل کی جائے لہٰذا شرقپور شریف آگیا اور اپنے آپ کو عرب ظاہر کیا آپ نے بڑی تکریم کی اور اسے عزت و احترام سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ایک دو روز کے بعد اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے واپسی پر اسے اچھی خاصی رقم دی اور رخصت کرنے اس کے ساتھ ہو لئے۔ کافی فاصلے پر پہنچ کر آپ نے اسے فرمایا۔

"دوست! اب وہ جگہ آگئی ہے جہاں تم نے ایک عربی کا بہروپ بھرنے

کا قصد کیا تھا اور پھر ایک عربی کی شکل میں میرے پاس پہنچے۔ اب اپنی اصلی حالت میں واپس اپنے گھر جاؤ۔ تمہارا مقصد تو پورا ہو چکا ہے۔ ہم بھی واپس لوٹتے ہیں۔''

جیسا کہ اس بات کے شروع میں عرض کر چکا ہوں اولیاء کرام کے نور بھرے دل انوار الٰہی و تجلیات ذات کا مخزن ہوتے ہیں اور رب ذوالجلال انہیں نور معرفت عطا فرماتے ہیں تو کونسی ایسی چیز ہے جو ان سے مخفی ہوتی ہے جب وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں تو دلوں کے عمیق ترین گوشے بھی ان کی نظروں میں بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ بھلا عربی بہروپ بھرنے والے کا حال کیسے حضور میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی نظروں سے اوجھل رہتا۔

جناب محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ اچھرہ (لاہور) میں ایک بزرگ حافظ فتح محمد صاحب ہوا کرتے تھے۔ بڑے نیک آدمی تھے اور حکمت بھی کرتے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ کے ہم عصر تھے اور دوست بھی۔ ان کے چہلم پر حضرت صاحب قبلہ مع کچھ احباب کے تشریف لے گئے ہوئے تھے رات کے گیارہ بجے کے قریب پچیس چالیس آدمیوں کی معیت میں آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھی خاتون اونچی آواز سے السلام علیکم کہتی ہوئی آپ کے پاس آئی آپ نے فرمایا ''مائی جی! کیوں آئی ہو۔ مردوں میں عورتوں نہیں آیا کرتیں۔''

مائی نے عرض کی۔ ''حضور! میں حافظ صاحب کو پنکھا کرنے والی ہوں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا ''وہ تو بزرگ آدمی تھے میں کوئی بزرگ تو نہیں ہوں۔''

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''میں نے ایک عرض کرنی ہے۔''

حضور میاں صاحبؒ نے پوچھا۔ ''وہ کیا ہے؟ بات کرو۔''

مائی نے کہا ''سرکار! میرا جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ شریف جاؤں اور

حضور کے روضہ پاک کی زیارت کروں۔

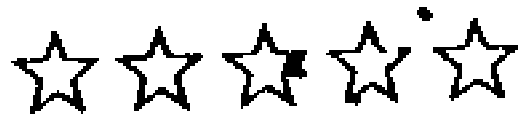
"کیا کرنا ہے وہاں جا کر۔؟" آپ نے فرمایا۔

"حضور! دل چاہتا ہے۔" مائی جی بولیں۔

آپ نے فرمایا "عشاء کی نماز کے بعد مصلے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا اور درود شریف خضری پڑھنا شروع کر دینا۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ روضہ شریف کے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہوں۔"

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ مائی زور زور سے اونچی آواز میں کہنے لگی۔

"خدا کی قسم میں روضہ شریف کے سامنے بیٹھی ہوں۔" اور حضرت صاحب قبلہ یہ کہتے ہوئے کہ تو تو کسی کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتی ہے" اٹھ کر پاس کے ایک حجرہ میں چلے گئے۔



روایت ہے کہ شرقپور شریف سے شمال مشرق کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلہ پر موضع غازی پور ہے۔ وہاں میراثیوں کا ایک خاندان مقیم تھا اس خاندان کے افراد قوالی کیا کرتے تھے اور اسی پر گزر اوقات کرتے تھے۔ اس خانوادے میں دو بھائی شہاب دین اور چراغ دین کافی مشہور تھے ان کی آواز نہایت سریلی تھی اور وہ بہت اچھے قوال تھے شہاب دین کبھی کبھی حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے شہاب دین سے کہا۔

تجھے گھوڑوں کو مختلف چالوں پر چلانا نہیں آیا؟ عموماً تمہارے خاندان والے (یعنی میراثی) گھڑ سوار ہوتے ہیں اور گھوڑوں کو مختلف طریقوں پر چلانا سکھاتے ہیں۔" (یعنی گھوڑے گھوڑیوں کی چالوں کو بنانے والے۔ شہاب دین نے کہا۔!

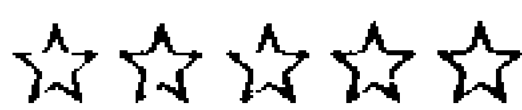
"حضور! میں تو یہ کسب نہیں جانتا۔ آپؒ نے فرمایا "تمہیں بھی سوار بننا

چاہئے۔"

شہاب دین میراثی تھا اور گانا بجانا اس کا پیشہ۔ گانے بجانے والوں سے ان کے تعلقات استوار ہونا ایک یقینی امر تھا۔ لاہور کے گانے بجانے والے میراثیوں (آج کل سب کو خاں صاحب بولتے ہیں) اور طوائفوں کے ہاں بھی اس کا آنا جانا تھا۔ ایک دن شہاب دین لاہور گیا ہوا تھا کہ ایک طوائف نے کہا۔

"شہاب دین! مجھے فلاں راجہ نے گھوڑی دی ہے جو بہت خوبصورت اور اچھی نسل سے ہے لیکن چالوں سے بے خبر اور انجان ہے۔ اسے لے جاؤ اور اسے چلنا سکھاؤ۔ معاً شہاب دین کے ذہن میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے نقوش ابھرے اور اس نے سوچا حضرت صاحب قبلہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ تم بھی گھڑ سوار بنو پایہ صداقت کو پہنچتا نظر آ رہا ہے۔ لہٰذا مجھے دیکھنا تو چاہئے۔" یہ خیال کر کے شہاب دین اس گھوڑی کو سکھانے لگا۔ اس گھوڑی پر اس نے بہت محنت کی وہ گھوڑی ایسی نکلی کہ لوگ اس کی چال دیکھ کر عش عش کرتے۔ گھڑ سواروں میں شہاب دین کا شہرہ ہو گیا اور اس نے گانا بجانا چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا۔ حضرت صاحب قبلہ کی نظر کرم سے شرقپور شریف سے لاہور جانے والی سڑک پر اس نے کچھ زمین بھی خریدی۔ اس پر کنواں لگوا لیا اور محنت کر کے اپنی بسر اوقات کرنے لگا۔

شہاب دین نے داڑھی بھی بڑھا لی وہ نہ صرف پکا نمازی بن گیا بلکہ تہجد گزار ہو گیا یہ سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا تصرف تھا کہ اس کی یوں کایا پلٹ گئی۔



روایت ہے کہ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ قبرستان دہراں والا (جہاں اب حضرت صاحب کا مزار شریف ہے) جا رہے تھے جب آپ

چنگی کے پاس پہنچے تو سامنے سے چراغ دین جو شہاب دین میراثی کا بھائی تھا چلا آرہا تھا۔ حضرت صاحب قبلہ سیدھے اسی کی طرف چلے آئے۔

چراغ دین نے جب آپ کو دیکھا تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی آپ نے اس سے پوچھا ''کہاں سے چلے آرہے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''حضور محمود کوٹ سے آرہا ہوں۔'' اس کے کاندھے پر تھیلی میں لپٹی ہوئی سارنگی لٹک رہی تھی۔ آپ نے اس کو ہاتھ لگا کر پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

یہ سن کر وہ ہاتھ جوڑنے لگا اور کہنے لگا۔ ''سرکار! ہمارا پیشہ جو ہوا۔ اسی کے ذریعے ہم کما کر پیٹ پالتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا۔

''دکھاؤ تو سہی اس سے کیا کرتے ہو۔'' اس نے کاندھے سے اتار کر سارنگی کو جو چھیڑا تو اس سے ''چیں'' کی آواز پیدا ہوئی۔ آپ نے جوش سے فرمایا۔

''ویکھ یار! ایہہ کی کہندی اے''

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ چراغ دین کو وجد ہوگیا۔ وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے اٹھایا گیا تو حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ نے اسے دو روپے دیئے اور وہ چلا گیا۔

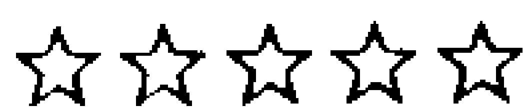
اس دن کے بعد سے چراغ دین نے بھی گانا بجانا چھوڑ دیا۔ داڑھی بڑھالی اور نمازیں پڑھنے لگا۔ غالباً ان دونوں بھائیوں کی اولاد نے بھی پیشہ اختیار نہیں کیا۔



روایت ہے کہ پشاور سے واپسی پر ہی آپ مہر ولایت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ملنے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ جب آپ پیر صاحب کے ہاں پہنچے تو وہ پلنگ پر دراز تھے آپ نیچے ہی فرش پر دوزانو بیٹھ گئے اس وقت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ حاضرین کے سامنے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ کی تفسیر بیان فرما رہے تھے۔ چند ساعتوں کے بعد حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''حضرت! اس سے آگے ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سَافِلِیۡنَ پر بھی غور فرمایئے۔'' یہ سن کر قبلہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ نے سامعین سے مخاطب ہو کر پنجابی زبان میں فرمایا۔ ''دیکھو بھئی! جھتے ایہی جناں جا اپڑیا اوتھے ماھ نہ اپڑ سکیا۔'' یعنی جہاں یہ مردِ خدا جا پہنچا ہے وہاں میں نہ پہنچ سکا۔'' اس کے بعد سرکار شرقپور رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت پیر صاحب سے ''کچھ'' بات کہی تو وہ خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ نے رخصت کی اجازت لی تو پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس بات کا جواب دیا۔ واپس شرقپور شریف آ کر آپ نے فرمایا ''علم تو یوں تھا جیسے سمندر ٹاٹھیں مار رہا ہو لیکن میری بات کا جواب تو دیر سے دیا تھا۔'' بعد ازاں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدین کو شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ پیر صاحب رحمتہ اللہ کے ایک مرید نے بتایا کہ پیر صاحب فرماتے تھے۔

''میں حیران ہوں کہ میاں صاحب رحمتہ اللہ نے اتنا عروج کیسے پایا۔ میں جب بھی مولائے کل فخر رسول سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچہری میں حاضر ہوتا ہوں تو میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داہنی طرف بیٹھے ہوتے ہیں۔''



ایک روایت کے مطابق باغبان پورہ کے مشہور رئیس میاں تاج دین مرحوم سے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی قرابت داری تھی۔ میاں تاج دین کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ اپنے لڑکے میاں افتخار الدین کو جو ابھی چھوٹے سے ہی تھے ساتھ لے کر حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتی۔ میاں افتخار الدین جب جوان ہوئے تب بھی آپ کے پاس آیا کرتے۔

ایک دن میاں افتخار الدین اور مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری مرحوم اکٹھے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ دوران ملاقات میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا ابوالحسنات کو علیحدہ لے جا کر فرمایا۔ ''تم اس لڑکے (میاں افتخار الدین) کے ساتھ پھرتے مجھے اچھے نہیں لگتے۔''

مولانا ابوالحسنات نے عرض کی۔ ''سرکار! یہ لڑکا بڑا نیک اور پارسا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ولی ہے۔'' یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''ہے تو ولی ہی لیکن مجھے خدشہ ہے کہ یہ کہیں ''ولا'' نہ بن جائے۔''

چنانچہ پاکستان میں کون پڑھا لکھا یا اخبار بین شخص ایسا ہے جو نہیں جانتا کہ میاں افتخار الدین کے خیالات اور حالات کیسے ہو گئے تھے۔ سال کا بیشتر حصہ لندن اور غیر ممالک میں عیش و عشرت سے گزارنے والا یہ رئیس نہ صرف منفی خیالات کا مالک بن گیا بلکہ اس شخص کے اعمال حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی پیش گوئی اور ارشاد کے عین مطابق ہوئے اور لوگوں نے آپ کے فرمان کو پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔



روایت ہے کہ باغبانپورہ لاہور کی مشہور میاں فیملی میں میاں شاہنواز بڑے معروف اور بارسوخ آدمی تھے وہ ہمیشہ پنجاب اسمبلی میں اپنے حلقہ سے ممبر ہوا کرتے تھے۔ میاں صاحب موصوف اتنے باا ثر اور ملنسار تھے کہ عموماً الیکشن میں کوئی ان کا مدمقابل نہ ہوتا اور وہ بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جاتے۔

مذکورہ بالا میاں فیملی کا یہ باعزت اور شریف گھرانہ بھی اس لعنت کا شکار ہو گیا تھا گھریلو ناچاقی اور آپس میں چپقلش نے اس خاندان کے دو حقیقی بھائیوں میاں شاہنواز اور میاں حق نواز کو میدان سیاست میں بھی ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ دونوں بھائیوں نے ممبری کے لئے تگ و دو شروع کر

دی۔ آخر الیکشن شروع ہو گیا۔

ان دنوں ووٹروں کا حلقہ بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ شرقپور شریف بھی اسی حلقہ میں تھا۔ ایک دو تھانوں کے بعد شرقپور شریف پولنگ ہوا اور ووٹ ڈالے گئے۔ مذکورہ میاں فیملی سے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی رشتہ داری تھی۔ جب آپ نے سنا کہ دونوں بھائی اور ان کے رشتہ دار الیکشن کے سلسلہ میں یہاں آئے ہوئے ہیں تو حضرت صاحب قبلہ نے ازراہ قرابت ان کی دعوت کی اور بیس پچیس افراد کو اپنے ہاں کھانا کھلایا۔

ابھی الیکشن ختم ہونے میں کچھ دن بقایا تھے کہ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ باغبانپور میں میاں شاہنواز کی کوٹھی آ پہنچے آپ کبھی ان کے ہاں تشریف نہیں لے گئے تھے آپ کی اچانک تشریف فرمائی کی وجہ سے میاں شاہنواز اور ان کے گھر والوں کو مسرت و شادمانی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی سلام مسنون کے بعد حضرت صاحب قبلہ نے میاں شاہنواز سے فرمایا۔ ''مجھے یہ تو بتاؤ کہ لڑتے کون ہیں؟'' وہ حیران و ششدر خاموش بیٹھا رہا۔ آپ نے خود ہی فرمایا۔ ''ارے میاں! لڑتے تو کتے ہیں۔ بھائیوں کو تو آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہئے نہ کہ یوں جیسا کہ تم نے شروع کر دیا ہے۔ تم بڑے ہو۔ وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے اور چھوٹے بھائی اولاد کی مانند ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے تھا۔ تم اتنے برس سے اسمبلی کے ممبر ہوتے چلے آئے ہو۔ اب کی دفعہ اگر تمہارا چھوٹا بھائی ممبر منتخب ہو جاتا تو پھر کیا تھا۔ آخر تمہارا ہی چھوٹا بھائی تو ہے۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ کی باتوں کا اس پر بڑا اثر ہوا۔ آپ کا تصرف تھا کہ اس پر رقت سی طاری ہو گئی وہ اپنے کئے پر بڑے پشیمان ہوئے اور عرض کی ''حضور! جیسے آپ ارشاد فرمائیں میں حاضر ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''تو بس دستبردار ہو جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں دستبرداری لکھ دو۔''

چنانچہ انہوں نے فوراً دستبرداری لکھ دی۔

اس کے بعد سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ میاں حق نواز کی کوٹھی پہنچے وہ بھی بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی کہ حضور کیسے تشریف لے آئے۔ آپ نے میاں حق نواز سے بھی یہی فرمایا ''کہ معلوم ہے لڑتے کون ہیں؟ ارے کتے لڑتے ہیں۔ تم دونوں بھائیوں نے یہ کیسا اکھاڑا بنا دیا ہے۔ وہ تمہارا بڑا بھائی ہے اور بڑے بھائی باپ کی مانند ہوتے ہیں۔ تمہیں اس کی فرمانبرداری کرنا چاہئے تھی اس کی عزت تمہاری عزت ہی تو ہے'' اس پر حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو اور آپ کے تصرف نے بڑا اثر کیا اس نے عرض کی ''حضور! میں اپنے کئے پر بڑا شرمندہ ہوں اور اب ہر طرح حاضر ہوں۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تو بس اپنے بڑے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جاؤ اور دست برداری لکھ دو'' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔

دونوں بھائیوں سے دست برداری لے لینے کے بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مشہور زمانہ میاں افتخار الدین کے والد میاں تاج دین کے ہاں پہنچے۔ وہاں بیٹھ کر دونوں بھائیوں کو بلایا۔ میاں تاج دین کے ہاں ایک بھینس کھڑی تھی آپ نے پوچھا۔

''یہ بھینس کتنی قیمت سے خریدی ہے؟'' انہوں نے کہا کہ ''ایک سو روپیہ سے'' آپ نے ذرا بلند آواز سے فرمایا ''مجھ سے دو سو روپیہ لے لو اور ایک بھائی تو لا دو؟'' معلوم نہیں اس بات میں کیا جادو بھرا تھا کہ دونوں بھائی دھاڑیں مار کر رونے لگے اور ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے رونے سے ان کی طبیعتیں ہلکی ہو گئیں اور سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے تصرف اور نظر عنایت سے دل صاف ہو گئے کدورتیں دھل گئیں اور رنجشیں دور ہو گئیں۔ جب طبیعتوں میں کچھ سکون ہوا تو آپ نے فرمایا۔

''اب بتاؤ ممبر کسے ہونا چاہئے۔'' میاں شاہنواز نے کہا۔ ''جناب! میں تو

دست بردار ہو چکا ہوں۔" اور میاں حق نواز جھٹ سے بول اٹھے۔ "سرکار! میں تو پہلے ہی دستبرداری لکھ کر آپ کو دے چکا ہوں۔"

☆☆☆☆☆

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ بازار میں سے گزر رہے تھے اور ایک دکاندار ترازو ہاتھ میں لئے سودا تول رہا تھا آپ نے دیکھا کہ وہ کم تول رہا ہے آپ نے مسکرا کر پنجابی زبان میں فرمایا "جیوندیاں داہر کوئی ہندا اے موئے دا کوئی نہیں ہندا۔" (تولتے وقت اگر ترازو کا ایک طرف پلڑا زیادہ جھکا کر تولیں (یعنی ذرہ زیادہ تولیں تو اسے پنجابی زبان میں جیوندا تولنا کہتے ہیں اور کم تولیں تو مویا ہوا یعنی مرا ہوا تولنا کہتے ہیں) آپ نے ایک ہی فقرے میں سب کچھ سمجھا دیا۔ ایک تو یہ کہ وزن اچھی طرح کرنے سے گاہک زیادہ آتے ہیں دوسرے یہ کہ جن کے لئے کم تول تول کر دولت اکٹھی کی جارہی ہے وہ زندگی میں ہی پہچانتے ہیں بعد از مرگ کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے تول میں سودا صحیح دینا چاہئے۔ دکاندار کے دل پر یہ بات اثر کر گئی اور اس نے آئندہ تول میں کسی کو شکیات کا موقع نہ دیا۔

☆☆☆☆☆

ایک شخص کا مقدمہ کسی عدالت میں پیش تھا۔ ان دنوں بیان ہونے سے پیشتر عدالت مدعی اور مدعا علیہ سے پوچھتی تھی کہ وہ شریعت کو مانتا ہے یا رواج کو۔ مذکورہ شخص سے بھی پوچھا گیا تو اس نے کہا میں رواج کو مانتا ہوں۔"

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو یہ قصہ سن کر بڑا رنج ہوا۔ جب وہ آدمی آپ کو ملنے شرقپور شریف آیا تو آپ نے فرمایا۔

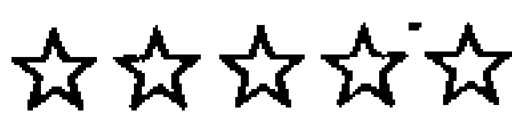
"بے ایمان تو تم اسی وقت ہوگئے تھے جب تم نے شریعت کی بجائے رواج کو ماننے کا قرار کیا تھا۔ اب تم مسلمان نہیں رہے۔"

وہ آدمی بڑا پشیمان ہوا اور توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ نیز اس نے عدالت

میں جا کر دوبارہ بیان دیا کہ وہ اپنا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کروانا چاہتا ہے رواج زمانہ کے مطابق نہیں۔" اس کی پشیمانی اور توبہ استغفار سے اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل کیا اور مقدمے کا فیصلہ اس کے حق میں ہو گیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ سے آج تک یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ بڑی مسجد حضرت میاں صاحب والی میں نماز باجماعت کے وقت مسنون طریقہ پر رکھی ہوئی داڑھی والے حضرات پیش امام کے پیچھے داہنے ہاتھ اور داڑھی صاف کئے ہوئے یا داڑھی کترانے والے بائیں ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں اس کے خلاف جو بھی عمل کرتا ہے اس کو روک دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک ذیلدار صاحب گلے میں پستول ڈالے ہوئے حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آئے۔ جب وہ مذکورہ مسجد میں نماز باجماعت کے وقت داہنے ہاتھ کھڑے ہونے لگے تو انہیں روک دیا گیا اور بائیں طرف کھڑا ہونے کو کہا گیا۔

ذیلدار صاحب کھڑے تو بائیں طرف ہو گئے لیکن انہوں نے اس بات پر بہت برا منایا اور کہنے والے کو سخت سست کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس کے پاس آبیٹھے اور مسکرا کر بڑے ناصحانہ اور میٹھے انداز میں فرمایا "کیوں صاحب! آپ بتا سکتے ہیں کہ داڑھی کیوں منڈوائی جاتی ہے۔" پھر وہی جواب دیا۔ "اسی لئے نا کہ آدمی کم عمر اور چھوٹا نظر آئے۔ میرے بھائی! چھوٹا بننے کا ارمان ہو تو پھر کھڑا بھی چھوٹوں میں ہونا چاہئے اور چھوٹوں کا مقام بائیں طرف ہے یا پیچھے۔ یہاں تو شریعت مطہرہ اور سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے والے ہی کو بڑا مقام حاصل ہے آپ کو رنج نہیں کرنا چاہئے۔



ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند آدمی جو کہ غالباً پٹھان تھے آئے اور آپ سے ہی پوچھنے لگے کہ

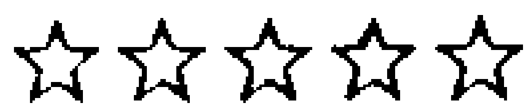
ہم نے میاں صاحب سے ملنا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ ''اسے مل کے کیا کہنا ہے۔'' انہوں نے کہا ''کہ ان سے چند ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔'' آپ نے فرمایا۔ ''وہ کوئی مولوی تو نہیں ہے مسئلے تو مولویوں سے پوچھے جاتے ہیں۔ ویسے وہ مسئلے کیا ہیں۔''؟

پٹھان کہنے لگے۔

''ان سے پوچھنا ہے کیا حضور نبی پاک ﷺ حاضر و ناظر ہیں؟''

آپ فرمانے لگے ''دیکھو! میں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس سے کہیں بہتر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' اور دوسری کون سی بات ہے۔

انہوں نے کہا ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ آپنے جوش سے فرمایا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ تو میں خود پڑھا کرتا ہوں۔'' یہ سننا تھا کہ وہ پٹھان سب کے سب اونچی آواز میں پڑھنے لگے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول االلہ الصلوٰۃ والسلام علیکم یا حبیب اللہ! یہ پڑھتے پڑھتے ہی وہ بے ہوش ہو گئے۔ لوگ جب انہیں ہوش میں لانے لگ تو آپ نے منع فرماتے ہوئے کہا۔ ''یہ خود بخود ہی ہوش میں آ جائیں گے۔ انہیں ایسے ہی رہنے دو۔'' تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گئے اور ان کے قلوب شبہات اور شکوک کے غبار سے صاف ہو چکے تھے۔



روایت ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ کے پاس ایک دن ایک وہابی آیا اور اس نے عرض کی ''میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔'' آپ نے اسے بھی یہی فرمایا۔ ''مسئلے تو کسی مولوی سے پوچھے جاتے ہیں۔ خیر بتاؤ وہ مسئلہ کیا ہے۔'' اس نے کہا ''یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ پڑھنا جائز ہے یا

ناجائز۔" آپ نے ارشاد فرمایا یا شیخ عبدالقادر تو میں خود پڑھا کرتا ہوں۔"

آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ اس وہابی کو وجد ہوگیا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ قریباً دو گھنٹے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ روتا تھا اور بے اختیار یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئا للہ پڑھتا تھا جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا۔" جب میاں صاحب قبلہ نے یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی شیئا للہ کہا تو مجھے وجد ہوا اور بے ہوشی طاری ہوگئی تو سرکار غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور میں نے عرض کی "سرکار! آپ کو یاد کیا جاوے تو آپ تشریف لاتے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا "کیوں نہیں! جو مجھے خلوص و محبت سے پکارے تو میں آجاتا ہوں۔"

اس واقعہ کے بعد اس وہابی نے وہابیت سے توبہ کرلی۔

☆☆☆☆☆

روایت ہے کہ ایک شخص عبدالرحیم نامی فرقہ باطلہ سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے عقائد درست نہیں تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "حضور! مجھے دانت میں درد ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف آپ کے عقیدت مندوں میں سے ہے۔ اس کے نام رقعہ لکھ دیجئے۔" آپ نے فرمایا۔ "میرے پیچھے سے ہو کر سامنے آؤ۔" وہ جب پیچھے سے ہو کر سامنے آیا تو آپ نے پوچھا "کہاں ہے درد" اس نے کہا اس دانت میں۔ آپ نے کہا اس دانت پر انگلی رکھو۔" اس نے دانت پر انگلی رکھی تو آپ نے یا شیخ سید عبدالقادر جیلانی پڑھ کر پھونک ماری تو درد جاتا رہا۔ اس دن کے بعد سے اس نے عقائد فاسدہ سے توبہ کرلی۔

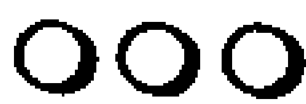
☆☆☆☆☆

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اکثر مکان شریف جایا کرتے تھے۔ راستہ میں امرتسر شہر آتا تھا۔ وہاں ایک ضعیفہ رہا کرتی تھی جو کہ قطب الاقطاب خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ آپ کبھی کبھی اسے ملنے جایا کرتے تھے۔ اس کا ایک لڑکا تھا (جلال

دین) مائی نے اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی ''سرکار! میرا یہ خوبصورت بچہ رنگساز ہے مگر اس کا کردار اچھا نہیں ہے نافرمان ہے۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ اسے نیک ہدایت دے اور اور سیدھے راستہ پر چلائے۔''

بزرگوں کو تو جہات کا حصول اللہ کریم کے فضل اور مہربانی سے ہی ہوا کرتا ہے مولائے عزوجل نے کرم کیا حضرت صاحب کی نظر نے اس کی طبیعت بدل دی اور اس کی اصلاح ہوگئی اور وہ نہایت نیک اور پارسا ہوگیا۔ اس ضعیفہ کے انتقال کے بعد حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ جب بھی امرتسر جاتے جلال دین کے ہاں قیام فرماتے تھے۔

حاجی فضل احمد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مکان شریف جاتے ہوئے امرتسر اترے اور جلال دین کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے مکان پر پہنچے اور کمرہ میں داخل ہونے لگے تو آپ نے دیکھا کہ ایک ہٹا کٹا موٹا سا پہلوان دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا ہے۔ آپ نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ''واوا بنیں واوا'' (یعنی اچھا بیج بنا) آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ دھڑام سے کمرہ کے اندر آپڑا اور اسے وجد ہوگیا۔ راقم الحروف کے والد صاحب اور مستری کرم دین مرحوم جو کہ آپ کے ہمراہ تھے نے جلال دین سے پوچھا۔ ''یہ پہلوان کون ہے؟'' جلال دین نے کہا ''یہ نوجوان وہابی ہے اور وہ بھی کٹڑ اور پکا۔'' جب پہلوان صاحب کو ہوش آیا تو دل ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو چکا تھا۔ اس کے غیر عقیدے صحیح عقیدوں میں بدل چکے تھے۔ وہ حضرت صاحب قبلہ سے بیعت ہوگیا اور بعد میں باشرع ہو جانے کے بعد اس نے اپنی زندگی صوم صلوٰۃ کی پابندی میں گزاری۔



فیضانِ نظر

حاجی فضل احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ اور حاجی مستری کرم دین صاحب مرحوم کسی کاروباری سلسلہ میں گجرات گئے۔ انہیں خیال آیا کہ نزدیک آئے ہوئے ہیں سائیں کرم الٰہی صاحب سے مل جائیں۔ جب یہ دونوں ان کے ہاں پہنچے تو دیکھا وہاں ان کے اردگرد کوئے ہی کوئے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ جو چیز ان کے پاس آتی ہے وہ کوؤں کے آگے پھینک دیتے ہیں۔ وہ خود تو اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان سے کچھ فاصلہ پر چند ایک درویش ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ وہ درویش آنے جانے والوں کو ان کے پاس نہیں جانے دیتے تھے کیونکہ سائیں صاحب آنے جانے والوں کو مارتے تھے۔ والد صاحب اور حاجی مستری کرم دین صاحب کو بھی ان لوگوں نے روکا اور کہا ''وہ مارتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک مت جاؤ۔'' لیکن یہ تو ان کے پاس پہنچ ہی گئے اور اپنے ''خیال'' میں بیٹھے رہے۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہاں سے چلے آئے کوئی ایک فرلانگ کے قریب واپس آئے ہوں گے کہ انہیں محسوس ہوا کہ قدم نہیں اٹھتے' انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سائیں صاحب ان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتے نظر آئے۔ انہیں معلوم ہو گیا

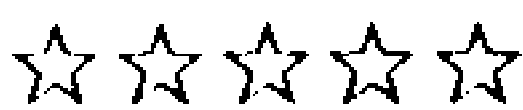
کہ ابھی واپسی کی اجازت نہیں ہوئی۔ یہ واپس آ کر پھر بیٹھ گئے۔

سائیں صاحب بڑی بیقراری کے عالم میں تھے۔ کبھی لیٹتے اور کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ کبھی کسی کروٹ لیٹتے اور کبھی کسی پہلو دراز ہوتے۔ ان کے پاس سرکنڈے (کانے) پڑے ہوئے تھے انہیں الٹ پلٹ کرتے رہتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گن رہے ہیں۔ والد صاحب اور حاجی صاحب جب دوبارہ پاس جا کر بیٹھے تو سائیں صاحب اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان والی جگہ اور ہتھیلی کے مقام والی جگہ کو ملتے تھے یا یوں محسوس ہوتا کھجاتے ہیں۔ دونوں حضرات کو خیال پیدا ہوا کہ یہ کیا کرتے ہیں؟ ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ سائیں صاحب فرمانے لگے۔ ''ارے! اپنوں سے پوچھ لینا۔''

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یہ اٹھ کر واپس چلے آئے۔ درویش حیران تھے کہ سائیں صاحب تو لوگوں سے اجتناب کرتے ہیں اور مارتے ہیں لیکن ان سے تعرض کرنا تو کجا اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتے رہے۔

ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ ''اللہ کے شیر'' کی کچھار سے آئے ہیں۔ ان کی گردن میں کس کا ڈورا ہے وہ جو کہتے ہیں۔

واپسی پر جب یہ دونوں حضرات شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ گجرات گئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ ''سائیں صاحب کو بھی ملے ہوگے۔'' عرض کی۔ ''حضور ملے تھے وہ انگلیاں کھجاتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنوں سے پوچھ لینا۔ آپ نے فرمایا ''وہ کہتے تھے کہ میں عشق الٰہی میں جل چکا ہوں۔''



حدیث دلبراں میں درج ہے کہ ''شاہ پور (کانجرا) کا ایک نمبردار حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے خاص عقیدت مندوں میں سے تھا۔ اکثر آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ آپ کی اس پر خصوصی توجہ تھی۔ آپ کے اس توجہ فرمانے سے وہ سرعت کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگا۔ اسے اپنے مقصد میں اچھی خاصی کامیابی بھی حاصل ہوگئی تھی۔

ایک دن اس نے بدقسمتی سے باتوں باتوں میں کسی سے یہ کہہ دیا کہ وہ رات کو اڑتا ہے۔ جس آدمی سے یہ بات ہوئی وہ بھی حضرت قبلہ کے پاس آنے جانے والا تھا وہ اس بات کو برداشت نہ کرسکا اور اس نے کسی حاضری پر آپ کی خدمت میں یہ بات کہہ دی کہ فلاں نمبردار جو کہ شاہ پور کا رہنے والا ہے کی طبیعت پر اس وقت بڑی رنگت ہے وہ کہتا ہے کہ ''میں راتوں کو اڑتا ہوں۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ سننا تھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا ''اب وہ اڑنے بھی لگا ہے۔ اچھا! اسے اڑنے دو اب۔'' آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اسے قبض ہوگئی (یعنی نعمت چھن گئی) بہت زور مارا لیکن طبیعت جو سرد ہوگئی تھی بحال نہ ہوئی جو کچھ حاصل ہوا تھا سب جاتا رہا اور وہ خالی ہوگیا۔

اس واقعہ کے بعد نمبردار اکثر آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا رہا لیکن وہ بات کہاں؟ آپ ناراض تھے اور اس کی طرف التفات ہی نہ فرماتے۔ آخر اس نے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لئے دوسرے بزرگوں کے پاس جانا شروع کردیا لیکن کسی کے ہاں سے بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ان دنوں ضلع گجرات ''اعوان شریف'' گاؤں میں قادری سلسلہ کے ایک بزرگ قاضی سلطان محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ مقیم تھے۔ وہ بلند پایہ بزرگ اور ولی کامل تھے۔ کشف میں انہیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ اچھے اچھے پارسا اور نیک بندوں نے ان سے فیض حاصل کیا ہے۔ شاہ پور کے نمبردار نے بھی قاضی صاحب کا نام سنا تو اپنی قبض کو بسط میں بدلنے کے لئے وہاں جا پہنچا۔ قاضی

صاحب رحمتہ اللہ علیہ جس مکان میں رہتے تھے اس کے اردگرد اونچی اونچی ڈنڈے تھو (ایک کانٹے دار پودا) اگی کھڑی تھی۔ یہ نمبردار شام کے وقت وہاں پہنچا تو اسے اندر جانے کے لئے راستہ ملنا مشکل ہو گیا۔ بہتیرا ڈھونڈا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قاضی صاحب جو کہ صاحب کشف و کرامات تھے اندر تشریف فرما تھے۔ اپنے مریدین سے کہنے لگے۔ ''دور سے کوئی آدمی آیا ہے لیکن اسے راستہ نہیں ملتا جاؤ اسے اندر لے آؤ۔'' چنانچہ ان کے مریدوں میں سے ایک باہر گیا اور اسے اپنے ساتھ اندر لے آیا۔ قاضی صاحب نے اسے بٹھایا اور فرمایا۔ "کہو"

اس نے عرض کی کہ ''حضور! اللہ اللہ سیکھنے آیا ہوں۔''

قاضی صاحب بڑے خوش ہوئے کہنے لگے۔ ''رب کریم کا شکر ہے کہ تم اللہ اللہ سیکھنے آئے ہو ورنہ جو بھی آتا ہے کسی دنیاوی کام کے لئے ہی آتا ہے کوئی اولاد کی غرض سے آتا ہے تو کوئی کاروبار کی وجہ سے۔ سب لوگ دنیاوی مطلب لے کر آتے ہیں۔''

یہ باتیں کرنے کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا۔ ''اچھا! ادھر میرے سامنے آ کر بیٹھو۔'' چنانچہ وہ آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا اور قاضی صاحب توجہ فرمانے لگے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تم پہلے ہی کسی صاحب کے مرید ہو۔ تمہارا پیر بڑا صاحب کمال ہے تمہارے پیر نے تمہارے گرداگرد ایک فولادی قلعہ کھڑا کر دیا ہے میں نے بڑی ہی کوشش کی ہے کہ لیکن اس کے اندر نہیں جا سکا۔ اب تم ان کے پاس ہی جاؤ۔ وہاں سے ہی تم فیضیاب ہو سکتے ہو۔

وہ نمبردار کہنے لگا۔ ''حضور میرے پیر تو مجھ سے ناراض ہیں۔ وہ راضی نہیں ہوتے۔'' قاضی صاحب کہنے لگے۔ ''تم ان کے پاس جاؤ اور جیسے بھی ہو سکتا ہی ان کو راضی کرو۔ ورنہ کسی کے ہاں سے بھی فیض نہیں ملے گا۔ تمہارا

شیخ صاحب کمال ہے مجھ سے ہو سکا تو میں تمہاری سفارش کروں گا۔“

قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات کے بعد وہ نمبردار شرقپور شریف میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ ”تم وہاں جو گئے تھے تو قاضی صاحب کو کیوں تنگ کیا۔“

وہ خاموش بیٹھا رہا اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ نمبردار پہلی عمر میں جلوہ ہائے پنہانی کی تابانیاں دیکھ چکا تھا۔ بقایا پچھلی عمر میں ان سے محروم رہا۔ اس نے بہت کوشش بھی نہیں کہ ورنہ شاید میاں صاحب کبھی راضی ہو ہی جاتے۔ اسرار پنہانی کو افشاء کر کے پھر ساری عمر پچھتاتا رہا۔



حاجی فضل احمد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور شاہ محمد غوث کی خانقاہ میں مقیم تھے رات بسر کرنے کے بعد صبح آپ نے فرمایا۔ ”چھاؤنی جانے کے لئے ایک تانگہ لاؤ“ بابا مستری کرم دین مرحوم دوڑ کر ایک تانگہ لے آئے آپ اس میں سوار ہو کر چھاؤنی پہنچے۔

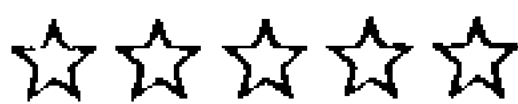
وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا۔ ”کسی سے مستری کرم دین سکھر یا شرقپوری انجن ڈرائیور کے مکان کا پتہ پوچھو اور خود ایک گلی میں چلے گئے والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ لوگوں سے پوچھ کر جب ہم مطلوبہ مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہ پہلے ہی وہاں کھڑے ہیں۔ آپ نے مستری کرم دین کو آواز دینے کے لئے فرمایا۔ حضرت صاحب قبلہ سے عرض کیا گیا کہ جب آپ کو جگہ معلوم تھی تو آپ نے مکان کا پتہ پوچھنے کے لئے ہمیں روانہ کر دیا؟ آپ فرمانے لگے۔ ”پہلے اپنا کام کرو اور کرم دین کو آواز دو۔“ دروازے پر آواز دینے سے ایک لڑکی باہر نکلی جس نے جواب دیا کہ وہ کام پر گئے ہوئے ہیں۔ مستری کرم دین صاحب نے لڑکی سے کہا ”اندر اطلاع دو کہ میاں

صاحب تشریف لائے ہیں لڑکی اندر گئی اور واپس آ کر دروازہ کھولتے ہوئے حضرت قبلہ کو اندر چلنے کو کہا۔ جب آپ اندر تشریف لے گئے تو کرم دین سکھریا کی بیوی بختاور جو سخت بیماری کی حالت میں چارپائی پر پڑی ہوئی تھی سے آپ نے فرمایا۔ ''بختاور! رات کو کیا بات تھی۔''

وہ رونے لگی اور روتے روتے ہاتھ جوڑ کر اس نے عرض کی ''حضور! ملاں دی دوڑ مسیت تک۔ میں نے آپ کو یاد کیا تھا۔ رات میرے خاوند کرم دین نے جواب ہی دے دیا تھا اور کہتا تھا کہ نہ تم مرتی ہو اور نہ میری خلاصی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں میری جان کب چھوڑو گی۔''

یہ سن کر حضرت صاحب قبلہ نے ایک جھرجھری لی اور بابا مستری کرم دین کی بیوی کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ ''مرض وڈھی کہ رب وڈھا۔'' آؤ چلیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ وہاں سے چلے آئے۔

اسی دن سے بختاور کی صحت اچھی ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ کلیتاً صحت یاب ہوگئی۔ بعدازاں اس کے ہاں اللہ کے فضل سے کافی بچے ہوئے اور حضرت صاحب قبلہ کے وصال سے تقریباً بیس برس بعد تک زندہ رہی۔ والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی بختاور ملتی تو میں کہا کرتا تھا۔ ''بختاور! حضرت صاحب کو پردہ پوش ہوئے کافی برس ہوگئے ہیں تو ابھی تک موٹی تازی چل پھر رہی ہے۔'' یہ سن کر وہ کہتی یہ حضرت قبلہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نظر عنایت ہے کہ جب سے آپ نے یہ فرمایا تھا ''مرض وڈی کہ رب وڈھا۔'' اس دن سے کسی بیماری میں مبتلا نہیں ہوئی اور جسمانی صحت ہر دم بحال ہی رہی۔



حاجی فضل دین صاحب لکھتے ہیں کہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ لاہوری اور ان کے جد امجد حضرت سید حسین پشاوری رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ

نشین تھے۔ آغا صاحب قادری سلسلہ کے صاحب نسبت کامل بزرگ تھے ان کے متعلق حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔

''سو ولی اللہ جمع کیے جائیں تو آغا سکندر شاہ صاحب ان کی امامت کے لئے تشریف لائیں ہیں۔''

آغا صاحب کو بھی حضرت صاحب قبلہ سے والہانہ محبت تھی اور حضرت صاحب قبلہ بھی ان کو بہت چاہتے تھے آغا صاحب کئی دفعہ حضور کو ملنے شرقپور شریف بھی تشریف لائے۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اکثر شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر گیارہویں شریف میں شرکت کے لئے لاہور جایا کرتے تھے اور جب آغا صاحب وہاں تشریف لائے ہوتے تو حضرت صاحب قبلہ خاص طور پر ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ آغا صاحب کی ملاقات کے لئے حضرت صاحب قبلہ پشاور بھی گئے۔

ایک دفعہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ شرقپور شریف تشریف لائے تو حضرت صاحب قبلہ سے کہنے لگے ''چلو! یہاں کے مزارات پر چلیں۔'' چنانچہ میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اور آغا صاحب سخی شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ، خواجہ محمد سعید صاحب رحمتہ اللہ علیہ، شاہ مراد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حافظ ہاشم شاہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ ہر ایک مزار پر صاحب مزار کے مقامات پر گفتگو ہوئی۔ بالآخر یہ دو صاحبان نے اس بات پر اتفاق فرمایا کہ حافظ ہاشم شاہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ حضرت شاہ امیر بالا پیر فرزند ارجمند حضرت محمد شاہ مقیم حجردی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ کا مقام بہت بلند ہے۔



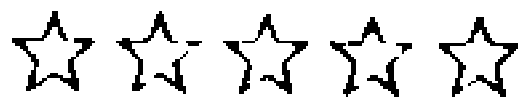
حضرت شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ کی محفل ہوا کرتی تھی اور ختم شریف کے بعد دروازہ بند کر دیا جاتا اور آغا صاحب کے مریدین کی ایک خاص مجلس ہوتی جس میں محبت آمیز اور عشقیہ اشعار پڑھے جاتے۔ چنانچہ ایک محفل میں جب

کہ آغا سکندر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ میر مجلس تھے۔ خوب وجدانی کیفیت پیدا ہوئی۔ پڑھنے والا عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ایک غزل سنا رہا تھا جب اس مصرعہ پر پہنچا کہ

جس نے اپنا آپ پیا اس کو جام شراب کیا چاہئے

محفل تڑپ اٹھی۔ رقت طاری ہوگئی اور لوگ وجد میں آ گئے۔ والہانہ انداز میں اس مصرعہ کی تکرار ہونے لگی۔ حتیٰ کہ اس حالت میں ایک مصرعہ پر ہی صبح ہوگئی۔

چند خاص مریدین نے آغا صاحب سے عرض کی ''حضور! ہم حیران ہیں کہ ہماری محفل میں غزلیں اور اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ سوز عشق سے دلوں کو گرمایا جاتا ہے تب کہیں خاصی محنت کے وجدان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے لیکن میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں کہ ادھر گیارہویں شریف میں درود شریف کی چادر بچھی اور دیکھتے ہی لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں اور عشق کی سرمستیاں ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔'' یہ سن کر آغا صاحب نے فرمایا ''کیا تم نہیں جانتے کہ ان کا پیر کس شان کا ہے؟ جس شان کا ان کا پیر ہے اس شان کے اس پیر کے مرید ہیں۔ نہ میں اس شان کا نہ تم اس شان کے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہماری محفل کی گرمی میاں صاحب کے آنے سے کس طرح ٹھنڈی ہو جاتی ہے؟''



روایت ہے کہ شاہ محمد غوث رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر بعض ضروریات کے پیش نظر ایک عمارت بنانے کی تجویز ہوئی۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے کافی روپیہ کی ضرورت تھی جو بظاہر ناممکن الحصول نظر آتا تھا۔ آغا سکندر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو جب پتا چلا تو انہوں نے ایک آدمی پر نصرف فرمایا تو اس اکیلے نے ہی ساری عمارت بنوا دی۔ جب میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ

یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

''آغا صاحب کو عمارت کے لئے تصرف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی کسی انسان پر تصرف کرتے اور اسے بندہ بنا دیتے۔''

☆☆☆☆☆

ایک روایت کے مطابق ایک دن آغا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ سے کہا ''میرے بڑے لڑکے کا تصوف کی طرف رجوع کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کہیے کہ اپنے فضل سے ایک ایسا بچہ عطا فرمائیں جو اپنے اجداد کے سلسلہ فیض کو جاری رکھتے ہوئے خلق خدا کی خدمت کرے'' آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''آپ منظور بارگاہ الٰہی ہیں۔ آپ خود دعا فرما دیں۔'' لیکن آغا صاحب نے بہت اصرار کیا اور آپ خاموش رہے۔ کچھ عرصہ بعد آغا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ جب وہ بچہ چار پانچ برس کا ہوا اور آغا صاحب اُپنے ہمراہ اسے لاہور لائے تو ملاقات کے وقت اس بچے کو انہوں نے حضرت صاحب قبلہ کے حضور پیش کیا۔ لڑکا بڑی تعظیم سے پیش آیا۔ آپ نے بڑی محبت فرمائی اور پیار کیا۔ آغا صاحب نے فرمایا ''یہ آپ کا ہی بچہ ہے۔''

آغا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے وہی صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے۔ ان کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت سرمست و بیخود رہتے اور وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ کبھی کبھی کپڑے پھاڑ کر جنگل کو چل دیتے۔

ایک دفعہ قبلہ رحمتہ اللہ علیہ از راہ شفقت ان کو ملنے گئے۔

☆☆☆☆☆

روایت ہے کہ اوکاڑہ کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک نابینا شخص رہتا تھا۔ اسے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ اس زمانے میں ذرائع آمدورفت اتنے آسان نہیں تھے جتنے کہ اس وقت ہیں۔ ایک

دن وہ بیچارہ تانگہ و دیگر سواریوں پر سفر کرتا ہوا موہلن وال کے پتن پر پہنچا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی اور کشتی والا سواریوں کا آخری پھیرا پار پہنچا کر اسی وقت واپس پہنچا ہی تھا اور اپنی کشتی باندھ کر گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نابینا مسافر نے نہایت لجاجت اور آزردگی کے لہجے میں ملاح سے کہا۔ ''بھائی! بڑی دور سے آیا ہوں منزل قریب تر ہے مہربانی کرو اور پار پہنچا دو۔'' ملاح نے جواب دیا۔ ''میاں دیر ہوگئی ہے میں نے بھی گھر جانا ہے اور پھر اور کوئی مسافر بھی تو نہیں۔ تم اکیلے کے لئے کشتی کو کیسے پار لیجاؤں اور ادھر سے بھی تو خالی کشتی لے کر اکیلے ہی آنا پڑے گا۔'' نابینا مسافر نے انتہائی منت سماجت اور انکساری سے ملاح کو اسے دریا کے پار اتارنے پر رضا مند کر ہی لیا چنانچہ ملاح نے اسے پار پہنچ دیا۔

دن چھپ چکا تھا۔ رات ہوگئی تھی لیکن نابینا مسافر لکڑی کے سہارے شرقپور شریف کا تین میل کا فاصلہ طے کر کے منزل کے قریب آ پہنچا۔

رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے کسی سے پوچھا کہ یہاں کہیں نزدیک ہی کوئی مسجد ہو تو رات بسر کر لوں صبح سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ چنانچہ کسی شخص کے بتانے پر بیرون ملکانہ گیٹ مولوی محمد شفیع والی مسجد میں وہ فروکش ہوگیا اور رات وہیں بسر کی!

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ بھی کبھی کبھی مسجد مذکورہ میں نماز تہجد ادا کرنے آیا کرتے تھے۔ نابینے کی بلند بختی کہ اس دن بھی آپ سحری کے وقت وہاں تشریف لے آئے اور نماز تہجد کے بعد وظائف میں مشغول ہوگئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ مسجد کے دروازے بند تھے۔ آپ نے کچھ وقت کے بعد آواز دی ''کوئی آدمی ہو تو باہر نکل کر دیکھے کہ نماز فجر کے لئے اذان کہنے کا وقت ہوگیا ہے یا ابھی کچھ دیر ہے۔'' آپ کی آواز کے جواب میں کوئی آدمی بھی

گویا نہ ہوا۔ مسجد میں حضرت صاحب قبلہ اور نابینا آدمی کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے پھر اسی طرح آواز دی۔ پھر بھی کوئی آدمی نہ بولا۔ آپ نے تیسری بار پھر فرمایا تو وہ نابینا مسافر کہنے لگا۔ "آپ کسے فرما رہے ہیں اور کوئی آدمی موجود ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ میں موجود ہوں اور نابینا ہوں۔"

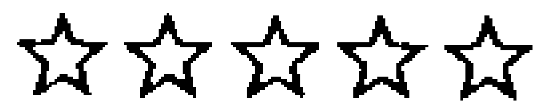
آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اچھا! تم ہی باہر جا کر دیکھ لو۔" اس شخص کا کہنا ہے کہ میرے دل میں ایک امنگ اور خواہش پیدا ہوئی اور میں اٹھ کر مسجد میں باہر نکل آیا جو ایسے ہی اپنے سر آسمان کی طرف کیا تو بینائی آ گئی تو دیکھا آسمان پر مدہم مدہم سے ستارے ٹمٹما رہے تھے اور اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ میں نابینا جو اب بینا ہو چکا تھا دوڑ کر اندر مسجد میں آیا اور اس شیریں آواز کے قدموں پر گر پڑا اور کہا میرا دل کہتا ہے کہ آپ ہی سرکار میاں صاحب شرقپوری ہیں پھر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔"

بعدازاں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس آدمی کو اٹھایا اور کھانے کی کچھ چیزیں جو پہلے سے آپ کے پاس تھیں اور ساتھ کرایہ کے لئے کچھ پیسے دیتے ہوئے کہا۔ "مسجد میں کھڑے ہو۔ قسم کھاؤ میری زندگی میں کسی شخص سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کرو گے۔" وعدہ لینے کے بعد اسی وقت وہیں کھڑے کھڑے واپس بھیج دیا۔

وہ آدمی جب پتن پر پہنچا تو علی الصبح پار جانے کے لئے پہلے "پور" کی سواریاں کشتی پر سوار ہو رہی تھیں۔ ملاح نے جب اسے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ جی ہی جی میں کہنے لگا "شکل و شباہت سے تو وہ ہی آدمی معلوم ہوتا ہے جسے رات میں نے کشتی پر اکیلے سوار کر کے دریا کے پار پہنچایا تھا لیکن وہ تو نابینا تھا اور اس کی آنکھیں صحیح سالم اور روشن ہیں۔" وہ اسی ادھیڑ بن اور حیرانی کے عالم میں کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ آخر نہ رہ سکا۔ اسے علیحدہ ایک طرف لے جا کر پوچھا تو وہ لیت و لعل کرنے لگا لیکن ملاح کو پورا یقین ہو چکا

تھا کہ یہ وہی رات والا آدمی ہے۔ چنانچہ اس نے بڑا مجبور کیا کہ ''بتاؤ کیا ماجرہ ہے کوئی راہ فرار نہ پا کر اس شخص نے ملاح سے کہا۔ ''مجھ سے حضرت صاحب قبلہ نے عہد لیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں۔ لیکن اس واقعہ سے پہلے چونکہ تم میری حالت دیکھ چکے ہو اور اب بھی دیکھ رہے ہو اس لئے تمہیں بتائے دیتا ہوں۔'' چنانچہ اس نے ملاح کو تمام ماجرہ من وعن بتا دیا اور حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں کسی ایک کو بھی نہ بتانے کا عہد لیا۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے دن جب مذکورہ ملاح جنازے میں شمولیت کے لئے آیا تو اس نے یہ واقعہ تمام احباب کو سنایا۔



حاجی فضل الٰہی کی روایت ہے کہ ''میں کوچہ حکیم شاہ دین میں اپنے (عارضی) مکان پر سویا ہوا تھا کہ اچانک رات کے گیارہ بجے دروازہ پر مستری کرم دین صاحب کی آواز سنائی دی۔ باہر آکر دیکھا تو ان کے ہمراہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ میں جلد ہی کپڑے پہن کر ساتھ ہو لیا۔

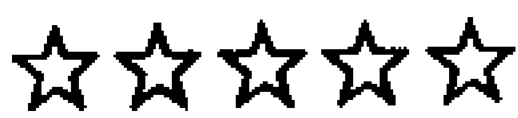
آپ نے فرمایا۔ ''آغا سکندر شاہ صاحب کے صاحبزادہ صاحب آئے ہوئے ہیں انہیں ملنے آیا ہوں۔ ہم شاہ محمد غوث چلے آئے اور رات وہیں مقیم رہے۔ صبح صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور حضرت صاحب قبلہ نے بھی بڑی شفقت فرمائی اور بڑے خوش ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب نے آپ سے عرض کی ''آپ میرے والد صاحب کی جگہ ہیں۔ میری طرف خاص توجہ فرمایا کریں۔'' آپ نے کھانا وہیں تناول فرمایا اور مستری کرم دین صاحب سے کہا۔ ''تم بازار سے اپنا سودا سلف لے آؤ اور لوہاری منڈی آجانا۔''

حضرت صاحب قبلہ نے حاجی فضل الٰہی کو ہمراہ لیا اور یہ کہتے ہوئے کہ

چلو ذرا ''وٹوانی'' کرلیں وہاں سے چلے آئے۔

فضل الٰہی صاحب کہتے ہیں جب ہم دہلی دروازہ کے چوک میں سے گزرے تو مجھے خیال ہوا کہ کچھ سنگترے لے لئے جائیں۔ میں سنگترے لینے کھڑا ہوگیا اور حضرت صاحب قبلہ آگے نکل گئے سنگترے لے کر پیچھے بھاگا تو دیکھا آپ یکی دروازہ کے باہر میاں عبدالعزیز مالواڈہ بیرسٹر کے مکان کے ساتھ والی مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہی مسجد میں چلا گیا۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا ''مجھے سنگتروں کا خیال آیا تھا۔ اب تو گناہ زیادہ ہوگے ہیں، پہلے تو جس چیز پر نظر پڑتی تھی سارے بدن میں اسی کا ''سواد'' بھر جاتا تھا حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی نظر آجاتا تو اس کی ساری زندگی کا عکس میرے سامنے اندر ابھر آتا تھا۔ یہ کہہ کر آپ مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنی جوتیاں بھی ساتھ لے آئے ''بھئی! سنا ہے لاہور میں جوتیاں چوری ہو جاتی ہیں۔''

وہیں مسجد میں بیٹھ کر آپ نے چند ایک سنگترے کھائے اور مصری شاہ کی طرف جہاں ان دنوں جنگل ہوا کرتا تھا چلے آئے۔ کچھ دور ایک باغ میں آپ نے حاجات ضروریہ سے فراغت حاصل کی اور نزدیک ہی ایک مسجد میں (جس کے ساتھ ایک تھڑا سا بنا ہوا تھا استنجا کیا اور اپنی عادت کے مطابق اپنے ہاتھوں غسل خانہ میں پانی ڈال کر غسل فرمایا۔) نفل ادا کئے اور فرمایا ''یار! دعا کرا یہ مسجد آباد ہو جائے۔''



حاجی فضل الٰہی صاحب بیان کرتے ہیں۔ ''ہم واپس شاہ محمد غوث آگئے اور صاحبزادہ صاحب کو مل کر اکبری دروازہ سے ہوتے ہوئے سریوں والے بازار چلے آئے۔ وہاں بازار میں خطائیوں والی ایک دکان پر ایک سفید ریش، بھاری بھرکم، خضر صورت، نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے آپ ان کے پاس گئے اور زانوؤں پر ہاتھ رکھ کر سلام مسنون کہتے ہوئے فرمایا۔ ''بابا جی! کیا حال

ہے۔'' بابا جی نے کہا ''الحمد للہ۔'' یہ سن کر آپ آگے نکل گئے اور بابا جی اونچی اونچی آواز میں پکارنے لگے ''میاں صاحب ذرا ٹھہریئے۔ ذرا ٹھہریئے۔'' آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ چلے آؤ۔ قریب ہی محلّہ ککے زئیاں میں اونچی مسجد میں آپ تشریف لے گئے اور فرمایا۔

''یہاں بابا محمد حجام، میر جان صاحب سجادہ نشین حضرت ایشاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مرید کہیں رہتا ہے۔'' ابھی آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ بابا محمد آ گیا اور بڑی عقیدت سے آپ کو ملا اور کہنے لگا۔ ''مجھے مدت سے میاں صاحب قبلہ کی زیارت کا اشتیاق تھا آج اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری کر دی ہے۔''

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے بابا محمد حجام پر کمال مہربانی فرمانے کے بعد پوچھا۔

''یہاں مسجد میں شرقپور کے ایک حافظ غلام نبی پیش امام ہیں، وہ کہاں ہیں؟''

بابا جی نے عرض کی ''حضور! وہ تو یکی دروازہ رہتے ہیں اور نماز کے وقت ہی آتے ہیں۔'' ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حافظ صاحب تشریف لے آئے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا ''اپنی لڑکی کو گھر کیوں بٹھا رکھا ہے اس کو سسرال کیوں نہیں بھیجتے۔'' حافظ صاحب نے چند ایک شکایات عرض کیں۔ لیکن آپ نے لڑکی بھیج دینے پر ہی اصرار کیا۔ حافظ صاحب کہنے لگے۔ ''سرکار! کوئی لینے بھی آئے وہ تو آتے ہی نہیں۔'' میاں صاحب قبلہ حافظ صاحب کو لڑکی رخصت کرنے کا فرما کر چلے آئے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کسی کے ہاں جاؤ تو دو باتیں پیش نظر رکھو وہ یہ کہ یا تو دوسرے شخص کو فیض دیا کرو یا اگر وہ تم سے اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے تو اس سے فیض حاصل کرو۔ یہ دونوں باتیں تبلیغ میں

شامل ہیں۔



حاجی فضل الٰہی فرماتے ہیں کہ حاجی غلام نبی صاحب کو ان کی لڑکی کی رخصی کے متعلق ہدایت فرمانے کے بعد جب حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے چلے آئے تو آپ نے سوہا بازار سے لنگر کے لئے کچھ دالیں خرید فرمائیں اور کسیرے بازار سے کچھ برتن خریدے لیکن اس خریدای کے دوران میں کسی آدمی نے بھی آپ سے علیک سلیک نہ کی حالانکہ وہاں کافی تعداد میں آپ کے عقیدت مند رہتے تھے۔ میں حیران تھا (حاجی فضل الٰہی) کہ جاننے والے بہت ملے ہیں لیکن کسی نے بلایا ہی نہیں۔

چلتے چلتے آپ لوہاری منڈی اونچی مسجد میں تشریف لے آئے وہاں آپ کو ملنے کے لئے اتنے لوگ آئے کہ مسجد تمام کی تمام بھر گئی اور گلی میں کھوے سے کھوا چھلنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اس دھکم پیل اور ہجوم میں میں پیچھے رہ گیا اور دروازہ پر کھڑا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا ''اسے آگے آنے دو۔'' اس واقعہ سے میرے ذہن میں فوراً یہ حکایت ابھر آئی کہ سرتاج الاولیاء حضور سیدنا غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ، جب مسجد میں جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو مشتاقان غوث کا ایک ہجوم ہوتا جو قدم بوسی کے لئے وارفتگی میں سرکار کے پائے اقدس پر گرتا تھا۔ ایک ضعیف العمر انسان اکثر یہ نظارہ دیکھتا اور ناطاقتی کی وجہ سے اپنی محرومی پر کف افسوس ملتا اور بڑی ہی حسرت سے کہتا۔ ''یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کبھی اکیلے میں مجھے بھی شرف باریابی حاصل ہو۔''

چنانچہ ایک دن حضور غوث الثقلین رحمتہ اللہ علیہ اکیلے ہی اس کی دکان پر تشریف لے آئے وہ فوراً نیچے اترا قدم بوسی کر کے آپ کے ساتھ ہو لیا۔ جامع مسجد تک وہ بوڑھا آدمی سرکار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور حیرانی کے عالم میں یہ

دیکھتا رہا کہ سارے راستے میں ایک آدمی نے بھی حضور کو سلام نہ کیا۔ اس بات سے اس بوڑھے کو گمان ہوا کہ کہیں یہ سرکار غوث کے حلیہ کا کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔ ابھی اس خیال کا اس کے دل میں گزر ہی ہوا تھا کہ خلقت ہر طرف سے آپ کی قدم بوسی کے لئے آنے لگی اور اتنی بھیڑ ہوگئی کہ اس کو پیچھے ہٹ کر ایک طرف ہوتے ہی بنی۔ حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مسکرا کر فرمانے لگے۔

''یہ تو تیری اپنی قسمت کہ تجھے یہ خیال ہوا ورنہ میں نے آج سارا دن تیرے لئے وقف کر دیا تھا یہ تو ہمارے اختیار میں ہے کہ کسی کو پاس آنے دیں یا نہ آنے دیں۔'' سبحان اللہ!

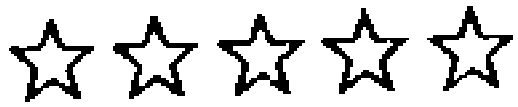
☆☆☆☆☆

ایک دفعہ قبلہ سید عبداللہ شاہ صاحب سابق پیش امام مسجد میاں صاحب شرقپور شریف سے دہلی گئے اور ان کے دل میں بھی شاہ ابوالخیرؒ کی ملاقات کا شوق چرایا۔ چنانچہ عبداللہ شاہ صاحب ان کے ہاں جا پہنچے۔ وہاں حسب دستور ملاقاتی درخواستیں دے رہے تھے، انہوں نے بھی ملاقات کے لئے درخواست دے دی اور انہیں اندر بلا لیا یا یہ بھی اور لوگوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھ گئے۔ حلقہ میں حکیم اجمل خاں جیسے بڑے بڑے رؤسا اور عمائدین شہر بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ ابوالخیر صاحب ہر ایک سے پوچھتے ''ارے! کیا لایا ہے۔'' جو کچھ بھی وہ کہتا سن کر آپ فرماتے۔ ''بہت تھوڑا لایا ہے۔'' کوئی پانصد کہتا کوئی ہزار لیکن آپ یہی فرماتے کہ نذر تھوڑی لایا ہے۔

حکیم اجمل خاں سے بھی پوچھا۔ ''حکیم صاحب کیا لائے ہو؟'' وہ خاصا امیر آدمی تھا اور اچھی خاصی مقدار میں نذر لایا تھا لیکن آپ نے یہی فرمایا ''ارے! بہت تھوڑی لایا ہے۔'' حکیم اجمل خاں کے بعد ہمارے عبداللہ شاہ صاحب کی باری تھی۔ شاہ ابوالخیر صاحب نے عبداللہ شاہ صاحب سے پوچھا۔

''ارے میاں! کیا لائے ہو؟''

عبداللہ شاہ صاحب نے فی البدیہہ کہہ دیا۔ ''حضور! میں اپنا آپ لایا ہوں'' یہ سننا تھا کہ شاہ ابوالخیر صاحب نے اونچی آواز سے سب لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''ارے دیکھو! یہ بات صرف میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید میں ہی ہوسکتی ہے۔'' اور عبداللہ شاہ صاحب سے بڑی شفقت فرمائی۔ اپنے ہاں مہمان رکھا اور اپنے ساتھ کھانا کھلاتے رہے۔ شاہ ابوالخیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ اکثر ملنے والوں سے آپ کے مناصب جلیلہ کے متعلق باتیں کرتے تھے۔



روایت ہے کہ شرقپور شریف سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ''ڈھانا'' ہے وہاں کا ایک باشندہ محمد معصوم حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ اس کا باپ بھی آپ سے ہی بیعت تھا۔

محمد معصوم لاہور میں اینٹیں پکانے والے ایک بھٹہ پر ملازم تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی کاروباری سلسلہ میں دہلی گیا۔ اہل نسبت حضرات جن کا تعلق کسی مرد کامل سے ہو اُن کے دلوں میں ہر وقت یہ جذبہ موجود رہتا ہے کہ کسی بزرگ ہستی سے فیض حاصل کیا جائے حضرت صاحب قبلہ سے تعلق کی وجہ سے محمد معصوم کا دل بھی جستجو و آرزو سے ہمکنار تھا جب وہ دہلی پہنچا تو اس نے کسی سے پوچھا ''یہاں دہلی میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رہتے ہیں۔ وہ کہاں مل سکیں گے۔'' اور پتا معلوم کرکے محمد معصوم ان کے آستانہ پر جا پہنچا۔

وہاں پر دستور تھا کہ جب شاہ ابوالخیر صاحب مجلس میں تشریف لاکر بیٹھتے تو پٹھان مقربین آپ کے سامنے ملاقاتیوں کی درخواستیں پیش کرتے اگر شاہ

صاحب خاموش رہتے تو ملاقاتی کو ملنے کی اجازت دے دی جاتی اور اگر شاہ صاحب انکار فرما دیتے تو پھر ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حسب دستور جب شاہ ابوالخیر صاحب تشریف لائے تو محمد معصوم کی درخواست بھی پیش کر دی گئی لیکن ملاقات کی اجازت نہ مل سکی اور وہ بے نیل مرام واپس لوٹ آیا۔

کچھ دنوں بعد محمد معصوم شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر پوچھا ''کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟''

''جی! ایک کام کے سلسلہ میں دہلی گیا تھا۔'' محمد معصوم نے جواب دیا۔

وہاں شاہ ابوالخیر صاحب ہیں۔ ان کے پاس بھی گیا تھا۔ آپ نے پوچھا۔

کہنے لگا۔ ''حضور! گیا تو تھا لیکن ملاقات نہ ہو سکی'' اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔

آپ نے فرمایا ''اب کے دہلی جانا ہو تو ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہونا۔''

یہاں سے واپس لاہور جاتے ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ اس کو پھر دہلی جانا پڑا۔

محمد معصوم کے بیان کے مطابق جب وہ ریل گاڑی میں سوار دہلی پہنچا تو ریلوے اسٹیشن پر چند ایک پٹھان اس کا نام، اس کے والد کا نام اس کے گاؤں کے نام کے ساتھ اونچی آواز سے پکار رہے تھے۔ پٹھان گاڑی کے ایک سرے سے چلتے اور دوسرے سرے تک ہر ڈبہ کے سامنے کھڑے ہو کر پکارتے کہ محمد معصوم فلاں کا بیٹا ''ڈھانا'' پنجاب کا رہنے والا کوئی ہے؟''

محمد معصوم یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا تو یہاں کوئی ایسا واقف یا جان پہچان رکھنے والا نہیں ہے جو اس کے باپ اور گاؤں کے نام بھی جانتا ہو، حیرانی کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ آخر جب تمام مسافر پلیٹ فارم سے چلے گئے تو محمد

معصوم نے پٹھانوں سے پوچھا۔ بھئی! تم نے محمد معصوم کو کیا کہنا ہے۔'' ان پٹھانوں نے پوچھا ''کیا تم ہی محمد معصوم موضع ''ڈھانا'' پنجاب کے رہنے والے ہو؟'' اور یہ معلوم ہو جانے پر کہ یہی مطلوبہ شخص ہے انہوں نے کہا۔

''ارے میاں! شاہ ابوالخیر صاحب نے ہمیں تم کو لینے بھیجا ہے۔ سٹیشن سے باہر کار کھڑی ہے ہمارے ساتھ چلو! تم ان کے مہمان ہو'' اور محمد معصوم ان کے ہمراہ کار میں سوار ہو کر شاہ ابوالخیر صاحب کے ہاں جا پہنچا۔

جب وہاں شاہ ابوالخیر صاحب سے اس کا سامنا ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا۔

''ارے میاں! تم ناراض ہو گئے تھے۔ تم تو ہمارے اپنے آدمی ہو۔'' محمد معصوم کافی دن دہلی مقیم رہا اور جبتک رہا انہی کے ہاں ہی رہا۔ شاہ صاحب اس سے بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے اور شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کا شرف بڑے بڑے نوابوں کو بھی حاصل نہیں ہوا تھا لیکن محمد معصوم جب تک وہاں رہا شاہ صاحب کے ہمراہ کھانا کھانے کی سعادت سے بہرہ ور رہا۔

حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر رہائش پذیر ہوئے۔ لاہور کی اقامت کے دوران ایک دن شاہ صاحب شالامار باغ دیکھنے جا رہے تھے کہ راستہ میں باغبانپورہ سے گزر ہوا اور آپ فرمانے لگے ''ارے میاں! یہاں کہیں پاس ہی کسی بھٹے پر محمد معصوم رہتا ہے اسے تو بلاؤ۔'' چنانچہ ایک آدمی گیا اور محمد معصوم کو بلا لایا۔ آپ نے اس سے بہت پیار کیا اور اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر ہمراہ لے گئے۔ راستہ میں شاہ صاحب نے محمد معصوم سے کہا ''ارے میاں! کیا تم تھوڑی دیر کے لئے اپنے پیر کو یہاں لا سکتے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔

''جناب! لا تو نہیں سکتا۔ عرض کر سکتا ہوں۔''

یہ سن کر شاہ صاحب نے فرمایا "ہاں بھئی! میرا تانگہ لے جاؤ اور میری طرف سے بھی عرض کرو کہ یہ بوڑھا کہتا ہے کمزور ہوں، آنے میں دقت ہے اگر آپ تشریف لے آئیں تو مہربانی ہوگی۔"

سو محمد معصوم ان کا تانگہ لے کر شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تشریف لے چلنے کے لئے عرض کی۔ حضرت میاں صاحب قبلہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تانگہ پر شاہ صاحب کی ملاقات کے لئے عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر پہنچے۔ حضرت صاحب قبلہ شاہ ابوالخیری صاحب نے میاں صاحب قبلہ کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے خلفاء اور مریدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "دیکھو! تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے چالیس چالیس برس ہو گئے ہیں۔ یہ عزیز آیا ہے اور اس نے آتے ہی مجھے لوٹ لیا ہے۔" یہ کہنے کے بعد شاہ صاحب آپ سے پیار بھری باتیں کرنے لگے۔

شاہ صاحب گنجینہ اسرار تھے تو سرکار میاں صاحب منبع فیوضات۔ دونوں باکمال اہل نسبت صاحبان کا باہم مل کر بیٹھنا عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ انوار وتجالیات کی بارش ہو رہی تھی پیشانیوں سے نور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا تھا۔ حاضرین کے قلوب یاد الٰہی میں محو تھے ان عارفان الٰہی کے قلوب پر تجلیوں کی ضیا باریاں ہو رہی تھیں اور کرنیں پھوٹ پھوٹ کر حاضرین کے دلوں کو محظوظ کئے جا رہی تھیں۔

کچھ دیر یہی کیفیت طاری رہی اس کے بعد حضرت صاحب قبلہ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور شاہ ابوالخیر صاحب الوداع کہتے ہوئے مکان پر اور جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاجی مستری کرم دین صاحب اور حاجی فضل الٰہی صاحب اور دیگر احباب آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے شاہ صاحب جو کہ بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے آسانی سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتے تھے کو

دو طرف سے کندھوں کا سہارا دیا جب شاہ صاحب سیڑھی چڑھ لیتے تو سہارا دینے والے اپنا گھٹنا نیچے زمین پر ٹیک دیتے تھے اور شاہ صاحب ساتھ ساتھ فرماتے تھے۔"ارے میاں صاحب کے مرید کیا کوئی آدمی ہیں؟ ارے نہیں! یہ تو کوئی فرشتے ہیں۔ فرشتے"۔

☆☆☆☆☆

سرکار شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کو غوث علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے روحانی محبت تھی آپ دو تین باران کے مزار پر پانی پت بھی تشریف لے گئے تھے ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ حاجی شیخ کریم بخش کو ہمراہ لے کر پانی پت گئے غوث علی شاہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے بعد آپ نے فرمایا۔

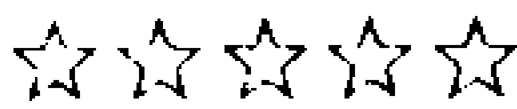
"ان کے سجادہ نشین سے بھی ملاقات کریں۔" پتا لینے پر معلوم ہوا کہ وہ کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ باہر رہنے کا پروگرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "مسجد میں ہی چل کر کچھ دیر قیام کر لیا جائے۔" مسجد میں آئے ہوئے ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ آپ نے فرمایا۔ "کریم بخش! دیکھو تو سجادہ نشین صاحب آ تو نہیں گئے کریم بخش نے جواب دیا۔ "حضور وہ تو دو ماہ کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔" آپ نے فرمایا "دیکھو تو سہی۔" میاں کریم بخش نے آ کر بتلایا کہ سجادہ نشین صاحب آ چکے ہیں جس پر آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ "چلو، ذرا ان سے مل لیں۔"

جب آپ ان کے ہاں تشریف لائے تو سجادہ نشین صاحب پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نیچے زمین پر ہی دوزانو بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپ نے اجازت لی اور کچھ نذر کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔

وہاں سے آپ کرنال چلے آئے اور جب کرنال سٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے تو ایک بزرگ صورت انسان چند ساتھیوں کی معیت میں وہاں

آئے اور سلام مسنون کیا۔ میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ''آپ مولانا سراج الحق ہیں۔'' اور مولانا نے بھی جواباً فرمایا۔ ''آپ میاں صاحب شرقپوری ہیں۔'' اور یہ کہتے ہوئے دونوں بغل گیر ہوگئے۔ آپ نے مولانا صاحب سے پوچھا۔ ''کدھر تشریف لے جارہے ہیں۔'' مولانا نے کہا۔ ''یہاں نزدیک ہی زمین ہے وہاں جارہا ہوں۔''

کچھ دیر دونوں حضرت مصروف گفتگو رہے اور بعد ازاں مولانا سراج الحق صاحب بعد علیک سلیک اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے مولانا کی روانگی کے بعد حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ مولانا صاحب بڑے بزرگ آدمی ہیں۔'' مولانا نے بھی اپنے ساتھیوں کیسے کہا۔ ''میاں صاحب کو مل کر روحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بڑی مدت سے ملاقات کی خواہش تھی۔''



روایت ہے کہ لاہور شہر سے باغبان پورہ جاتے ہوئے پنجاب انجینئرنگ کالج کے عقب میں سڑک پر سے ہی ایک گنبد پر نظر پڑتی ہے۔ یہ گنبد حضرت ایشان رحمتہ اللہ علیہ کے روضے کا ہے جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے صاحب علم وعرفان بزرگ تھے۔ آپ کی ذات بڑے کمالات کی حامل تھی۔ اس روضہ مبارک سے کچھ ہی فاصلہ پر ایک قدیمی مسجد ہے جس کا ماحول بڑا بابرکت اور گداز ہے ان دنوں یہ غیر آبادسی مسجد جو ''بیگم مسجد'' کے نام سے مشہور تھی آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے ریاضت و عبادت کرنے والے صوفی منش سالکین اور صاحب ذوق حضرات جو آبادی سے دور، دنیا و مافیہا سے بے خبر ذات باری تعالیٰ سے لو لگائے۔ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے کا مسکن تھی۔ حضرت میاں صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنی اوائل عمر میں بیگم مسجد، بڑے میاں کے درس اور حضرت ایشان رحمتہ الہ علیہ کے مزار پر اکثر جایا کرتے تھے اور وہاں جاکر کافی دیر ''خیال'' میں بیٹھا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ایشاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ایک کابلی سید میر جان صاحب تھے وہ ایک بلند پایہ بزرگ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ حضرت صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔ ''میر جان صاحب کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ کے حضور میں ہیں۔''

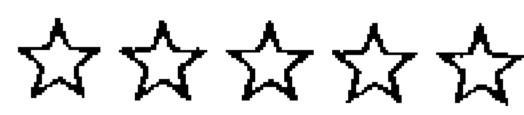
میر جان صاحبؒ کو حضور نبی اکرم ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ عشق رسول کا ان پر غلبہ تھا۔ وہ ضعیف العمر اور کمزور ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت اپنے گھٹنے کھڑے کر کے کمر اور زانوں کے گرد کپڑا لپیٹ لیتے تھے اور گھٹنوں پر قرآن شریف رکھ کر تلاوت فرماتے تھے لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ پر درود پاک پڑھنا ہوتا تو کمال ادب اور محبت کی وجہ سے دوزانو بیٹھ کر پڑھتے۔ سبحان اللہ۔ میر جان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نماز میں جماعت کی امامت عموماً خود کیا کرتے تھے اور جب قرات پڑھتے وقت حضور ﷺ کا اسم گرامی آجاتا تو نماز کی حالت میں ہی بے ساختہ اونچی آواز میں پکار اٹھتے ﷺ۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ جب کبھی وہاں جاتے میر جان صاحب آپ سے بڑی محبت کرتے۔ آپ نے خود فرمایا کہ آپ ایک دن ایشاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے میر جان صاحب مسجد کے صحن میں حوض کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے اس وقت وہاں کا ماحول کچھ عجیب سا تھا۔ ایک آدمی کو وجد ہو رہا تھا ایک پاس بیٹھا تلاوت کر رہا تھا ایک مراقبے میں مشغول تھا اور ایک آدمی آکر حوض میں نہانے لگا۔ آپ فرماتے ہیں۔

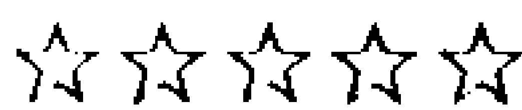
''مجھے بڑی غیرت آئی اور میں اٹھ کر ایشاں صاحب کے روضہ کے اندر چلا گیا۔'' وہاں سے آواز آئی۔

''اندر کیا لینے آئے ہو ایشاں صاحب تو باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

آپ فرماتے ہیں۔ ''میں باہر آ گیا لیکن برداشت نہ کر سکا اور اٹھ کر چلا آیا اور اندر سے پھر وہی آواز آئی اور میں باہر آ گیا۔'' تین بار ایسے ہی ہوا۔ آخر میر جان صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ''اے میرے عزیز! وہ اپنا کام کر رہے ہیں تم اپنے خیال میں مگن رہو۔'' اور پھر مجھے تسکین ہوگی۔''



میر جان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ایک رشتہ دار تھے...... وہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میر جان صاحب کا ایک خادم خاص غلام محمد انہیں دبا رہا تھا اور میر صاحب لیٹے ہوئے تھے کہ سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور غلام محمد کے پاس چپ چاپ بیٹھ گئے۔ آپ نے غلام محمد کو اشارہ سے فرمایا کہ وہ دبانا چھوڑ دے اور آپ میر صاحب کو مٹھیاں بھریں۔ چنانچہ غلام محمد نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ میر صاحب کی ران پر رکھ دیا اور غلام محمد نے دوسرا ہاتھ اٹھایا تو حضور نے دوسرے ہاتھ سے دبانا شروع کر دیا اسی طرح سے آپ نے غلام محمد کی جگہ لے لی اور غلام محمد اٹھ کر کسی دوسرے کام کو چلا گیا۔ حضرت صاحب قبلہ کافی وقت میر جان صاحب کو مٹھیاں بھرتے رہے جب غلام محمد واپس آیا تو میر صاحب نے اس سے کہا۔ ''غلام محمد دیکھو! یہ شخص باکمال ہے اس کی شہرت سارے ملک میں پھیلے گی۔ یہ شمع ہدایت بن کر چمکے گا اور اس کی ضیا پاشیاں تاریک دلوں کی سیاہی دور کر کے لوگوں کو نور اور روشنی عطا فرمائیں گی۔ لوگ چار دانگ عالم سے کھنچ کھنچ کر آئیں گے اور اس چشمہ ہدایت سے فیض یاب ہو ہو کر جائیں گے۔ یہ شخص اس دور الحاد میں سنت رسول اللہ کو از سر نو اجاگر کرے گا۔



حاجی فضل احمد لکھتے ہیں کہ والد مکرم کو بزرگ ہستیوں سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اکثر اسی ٹوہ میں رہتے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے بزرگوں

کا کہیں سے پتہ معلوم کیا جاوے اور ان سے الگ تھلگ رہنے والے بزرگوں کا کہیں سے پتہ معلوم کیا جاوے اور ان سے ملاقات کر کے ان کی روحانیت سے اخذ فیض کیا جائے۔

انہیں دنوں پتا چلا کہ ایک بزرگ ہستی لاہور پاگل خانہ میں دنیا کی نظروں سے اوجھل یادالٰہی میں مصروف ہے۔ والد صاحب وہاں گئے لیکن انکا سراغ ملنا مشکل ہوگیا۔ آخر وہاں کے ایک ٹھیکیدار قائم دین سے واقفیت پیدا کر کے اس کی وساطت سے ان بزرگوں کو ڈھونڈ نکالا۔

بڑی تگ ودو کے بعد ان کی ملاقات کی اجازت حاصل ہوئی اور سپاہی انہیں باہر بیرک میں لے آئے۔ ان کے بیرک میں آتے ہی پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ جو معائنہ پر جارہا تھا انہیں دیکھکر پاس آگیا اور اس نے ہیٹ اتار کر سلام کیا لیکن انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اس پر وہ ہنس کر چلتا بنا اور ان بزرگوں نے کھانس کر بلغم کا بڑا سا گولہ اس کے کوٹ پر پھینک دیا اس نے پھر بھی برا نہ مانا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سپرنٹنڈنٹ بھی ان کے اہل عرفان ہونے سے واقف تھا۔ اس کے بعد والد صاحب نے سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ انہوں نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''میاں صاحب شرقپوری تو بخیریت اور راضی خوش ہیں۔'' اور یہ کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ اسی طرح منہ کئے ہوئے ہی دیوانوں جیسی باتیں کرنے لگے۔

والد صاحب محترم کی معیت میں دو افراد بھی تھے۔ انہوں نے اشارہ سے کہا کہ ان کے متعلق بھی عرض کیا جاوے والد صاحب ان کے متعلق کہنے کی سوچ رہے تھے کہ وہ بزرگ فرمانے لگے۔ ''پہلا آدمی سورۃ اخلاص 101 بار پڑھا کرے دوسرا کلمہ شریف 300 بار اور والد صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ تم وما محمد الا رسول پڑھا کرو'' اس کے بعد ملاقات کا وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے سپاہی انہیں اندر لے چلے تو انہوں نے چلتے چلتے فرمایا۔

''حضرت میاں صاحب کو میرا سلام کہنا اور ان سے کتاب لے کر مجھے دے جانا۔'' والد صاحب ابھی حیران ہی تھے اور سوچ رہے تھے کہ کون سی کتاب ہے تو انہوں نے جاتے ہوئے دور سے یہی کہا وہ کتاب نبی پاک ﷺ کے پاس تھی اور اب میاں صاحب کو ملی ہے۔ اور دوبار اس بات کا تکرار کیا۔

والد صاحب کا کہنا ہے وہ چند دن کے بعد شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے گھر کے دروازے سے باہر نزدیک ہی کسی آدمی سے مصروف گفتگو تھے۔ یہ سلام کر کے پاس ہی ادب سے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے گفتگو کے دوران میں ہی اسی شخص کی طرف منہ کئے اور اسی کو ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''لوگ پاگل ہیں جو ایسے ہی پاگل خانہ میں لوگوں کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں۔'' یہ سن کر والد صاحب نے عرض کی ''حضور! یہ تو ٹھیک ہے لیکن جو وہ کتاب مانگتے تھے وہ تو دے دیجئے۔''

آپ نے جواب سے فرمایا۔ ''مجھے نہیں معلوم وہ کونسی کتاب مانگتے ہیں۔ تمہیں پتا ہوگا یا ان کو۔'' اور پھر اپنی گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

والد صاحب کچھ دنوں کے بعد پھر ان بزرگوں کی ملاقات کے لئے پاگل خانہ گئے لیکن ملاقات کی کوئی صورت نکلتی نظر نہ آئی۔ وہ ابھی اسی ادھیڑ بن میں ہی کھڑے سوچ رہے تھے کہ چند آدمی ان بزرگوں کے متعلق ہی گفتگو کرتے نظر آئے پتا کرنے پر معلوم ہوا کہ مذکورہ بزرگ چورہ شریف والوں میں سے ہیں ان کا نام نور شاہ صاحب ہے وہ آدمی چورہ شریف سے ان کو پکڑ کے لائے تھے۔ والد صاحب نے نور شاہ صاحب کی پاگل خانہ میں آمد کے متعلق سوال کیا تو ان حضرت نے بتایا۔

''نور شاہ صاحب بڑے کامل بزرگ ہیں اور ان کے مریدین خاصی تعداد میں ہیں۔ نور شاہ صاحب ان سب کو چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں کنارہ کش

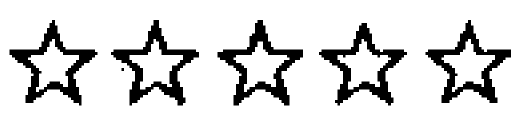
ہوکر یادِ الٰہی میں محو ہو گئے۔ مریدین وہاں بھی آنے جانے لگے تو انہوں نے سب کو منع کر دیا کہ مت آیا کرو اور سب لوگوں نے تو آنا جانا ترک کر دیا لیکن انکے ایک مرید نے پیچھا نہ چھوڑا شاہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ اس کا آنا جانا بند ہو جائے لیکن وہ بھی عاشق صادق تھا اس نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا دی اور ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا۔ ''مت آیا کرو۔ کہہ رہا ہوں ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔'' وہ یہ سن کر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر ایکدن ان کو جوش آ گیا۔ وہ چھری پکڑ کر آئے اور اس کو نیچے گرا کر ذبح کر ڈالا۔ پولیس کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے شاہ صاحب کو پکڑ کر چالان کر دیا اور کیس عدالت میں چلا گیا۔ وکیلوں نے بڑی کوشش کی کہ ایک دفعہ شاہ صاحب کہہ دیں کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ لیکن شاہ صاحب تھے کہ استفسار پر ہر دفعہ یہی کہتے۔

''مارا تو اسے اللہ تعالیٰ نے ہے اور چھری میں نے چلائی ہے۔''

آخر عدالت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس آدمی کا دماغ درست نہیں۔ اسے پاگل خانہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نور شاہ کو پاگل خانہ بھیج دیا گیا۔

جب چورہ شریف سے آنے والے لوگوں کی ملاقات اور کپڑوں کی وصولی کے لئے شاہ صاحب کو لایا گیا تو والدہ صاحب نے بھی شرف ملاقات حاصل کر لیا اور وہ دیکھتے ہی منہ دوسری طرف پھیر کر اونچی آواز میں کہنے لگے۔

''اسی رات ہی مجھے وہ کتاب مل گئی تھی وہ کتاب اسی رات ہی میاں صاحب'' قبلہ نے مجھے بھیج دی تھی۔



حاجی فضل احمد فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ کے زمانہ میں ایک شاہ صاحب سانده کلاں لاہور میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو عالموں اور بزرگوں سے ملاقات کا

بہت شوق تھا۔ آپ کو شاہ صاحب کا پتا چلا تو آپ سانده میں انکی ملاقات کو تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب قبلہ نے سرکار ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو شاہ صاحب کے پاس بھیجا اور فرمایا۔ ''ذرا مسجد میں قیام کر لینا۔'' چنانچہ با ارشاد اعلیٰ حضرت ''سرکار ثانی صاحب سانده گئے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب محترم سندھ گئے ہوئے ہیں اور دو ماہ کے بعد واپس تشریف لائیں گے۔ ثانی صاحب نے یہ سن کر واپسی کی بجائے بحکم اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ تھوڑے سے قیام کا ارادہ کیا اور مسجد میں چلے گئے۔

ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ شاہ صاحب قبلہ مسجد میں تشریف لے آئے ثانی صاحب ان کو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ شاہ صاحب تو سندھ میں تھے ابھی یہاں نظر آرہے ہیں۔ شاہ صاحب نے ثانی صاحب کی حیرانی و تعجب دیکھ کر فرمایا ''میں سندھ میں ہی تھا تمہارے لئے آیا ہوں ابھی واپس جاؤں گا ثانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ شاہ صاحب قبلہ کو مل کر واپس آ گئے۔

چند ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف کے والد صاحب کو حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ نے فرمایا۔ ''سانده کلاں جانا اور فلاں شاہ صاحب کو ملنا'' چنانچہ والد صاحب جب سانده پہنچے تو دیکھا کہ وہ ابھی دور ہی تھے کہ شاہ صاحب قبلہ خیر مقدم کے لئے چلے آرہے ہیں اور ان کا بازو تھام کر ساتھ لے گئے اور فرمایا۔

''صبح سے راہ دیکھ رہا تھا اور شرقپور شریف سے کسی فرد کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہ صاحب انہیں بازو سے پکڑ کر ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں مزدور اور معمار بیٹھے ہوئے تھے اور ایک کمرہ کی بنیادیں کھدی پڑی تھیں۔ شاہ صاحب نے والد صاحب سے فرمایا۔ ''لو عزیز اس کی بنیاد رکھو۔'' والد صاحب یہ سن کر بڑے گھبرائے اور عرض کی۔ ''جناب! میں تو اس کا اہل ہی نہیں ہوں۔ شاہ صاحب فرمانے لگے۔ ''میں نے حضرت صاحب قبلہ سے عرض کی تھی۔ آپ

نے اسی لئے تمہیں بھیجا ہے۔" چنانچہ والد صاحب کے ہاتھوں شاہ صاحب نے اس کمرہ کی بنیاد رکھوالی۔

شاہ صاحب نے سرکار میاں صاحب قبلہ کی تعریف اس انداز اور ایسے الفاظ میں کی کہ کوئی دوسرا کیا کر سکے گا۔ نیز شاہ صاحب نے فرمایا۔ "میرے بیس بائیس ہزار کے لگ بھگ مرید ہیں میں عنقریب ان کو حضور میاں صاحب رحمتہ اللہ کے سپرد کر کے خود چلا جاؤں گا۔" چنانچہ اس کے بعد ان حضرت کا کوئی پتا نہ چل سکا کہ کہاں ہیں۔

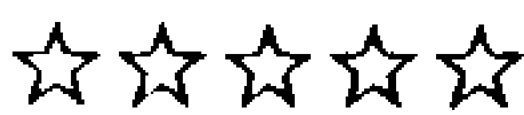
مندرجہ بالا واقعہ کو ایک مدت ہو چکی تھی جبکہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا وصول ہوا۔ آپ کا جنازہ باہر قبرستان کے نزدیک سڑک پر رکھا ہوا تھا کہ ایک نقاب پوش نے والد صاحب کو بلایا۔ والد صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ تو شاہ صاحب مذکور تھے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے آپ کی آخری آرام گاہ بننے والی جگہ بتاؤ۔" جب شاہ صاحب اس جگہ پہنچے تو کہا۔ "آج اہالیان قبرستان بڑے خوش ہیں۔ اتنے خوش کہ مسرت و شادمانی سے محو رقص ہیں کہ ان میں ایک قطب وقت اور بے نظیر ہستی کا ورود ہونے والا ہے۔ شاہ صاحب نے مزار شریف والی جگہ دیکھی اور کہا "میں نے ابھی چلے جانا ہے۔" والد صاحب نے کہا۔ "جنازہ پڑھ کر جائیے گا۔" انہوں نے فرمایا۔ "میں سندھ میں تھا کہ آپ کا وصال ہوا۔ حضور کے دیدار کی تمنا پوری کر لی ہے۔ میں نے ابھی واپس جانا ہے۔" چنانچہ باتیں کرتے کرتے ہی وہ گم ہو گئے۔



روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی نے عرض کی۔ سرکار نزدیک ہی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب ہیں جو اچھے قابل آدمی ہیں۔" آپ نے فرمایا "چلو ان سے ملاقات کرتے ہیں۔" چنانچہ آپ اپنے ہمراہیوں کے ہمراہ ان سے ملاقات کی

جب آپ واپس لوٹے تو فرمایا۔ ''جو چیز میں ڈھونڈتا تھا وہ نہیں ہے۔''

یہ سن کر ایک آدمی نے عرض کی ''حضور ان کا ایک بھائی ہے جو ''حال مست'' ہے اور جنگل میں رہتا ہے۔'' آپ فرمانے لگے۔''وہ تو کچھ اچھا آدمی ہوگا۔'' یہ کہہ کر جب سیڑھیاں اترنے لگے تو دیکھا، سامنے ہی وہ مست کھڑا ہے۔ آپ وہیں بیٹھ گئے اور وہ مست بھی سامنے بیٹھ گیا۔ کوئی پانچ سات منٹ کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مست کے کپڑوں میں سے دھواں نکل رہا ہے مست اٹھکر باہر آیا اور قے کر دی پھر چیخ کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور حضرت صاحب قبلہ بھی حضرت بہاء الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں جوتیاں اتار کر جب آپ بہاء الدین زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ کے اندر داخل ہوئے تو فوراً ہی اندر سے باہر بھاگ آئے اور جوتیاں پہن کر واپس آگئے۔ اس وقت تو کسی کو کچھ عرض کرنے کی جرات نہ ہوئی تاہم رات کو والد صاحب نے عرض کی ''حضور! اتنی دور سے آئے ہیں۔ بڑا ذوق اوراشتیاق تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ بہاؤالدین صاحب کے مزار پر چند منٹ بیٹھنا بھی نصیبوں میں نہ ہوا۔'' یہ سنکر آپ فرمانے لگے ''ارے! کیا اندر مزار ہیں؟ مجھے تو یوں معلوم ہوا کہ سب سفید سفید چادریں اوڑھے آرام فرما رہے ہیں اور جب میں اندر پہنچا تو سب اٹھ اٹھکر مجھے گلے ملنے دوڑے اور میں یہ کہہ کر پیچھے دوڑا کہ گھر آنے پر ہی سب گلے ملتے ہیں۔



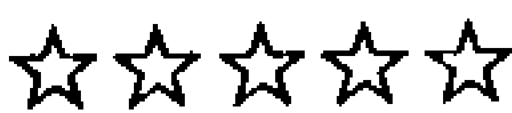
ایک روایت ہے کہ اعلیٰ حضرت سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک معتقد اور عقیدت کیش حافظ عبداللہ تھا جو شرقپور شریف سے دس میل دور سے لاہور جانے والی سڑک پر واقع ایک گاؤں برج اٹاری کا باشندہ تھا وہ اکثر آپ کے ہمراہ مکان شریف جایا کرتا۔ حاجی شاہ حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ المشہور

بھورے والی سرکار کے مزار شریف پر اس کی طبیعت بڑی لگتی تھی۔ وہ کئی کئی گھنٹے وہاں جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مکان شریف تشریف لائے تھے اور وہ بھی ہمراہ تھا۔ اپنے احباب سے حافظ صاحب کہنے لگے۔ ''میں آج رات بھورے شریف میں ہی رہوں گا۔'' چنانچہ بعد نمازعشاء حافظ صاحب بھورے شریف چلے گئے۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ بابا عبداللہ دہائی مچاتا لرزتا کانپتا بھورے شریف سے دوڑتا آرہا تھا۔ احباب نے پوچھا۔ ''کیا ہوگیا ہے کیوں شور مچاتے بھاگتے آرہے ہو؟'' کہنے لگا۔ ''وہاں تو ایک بڑا ہیبت ناک ناگ جو پھن پھیلائے پھنکارتا میری طرف دوڑا آیا۔ میرے تو حواس جاتے رہے، پگڑی اور جوتی وہیں چھوڑ کر بھاگ آیا ہوں۔''

صبح حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ تک بات پہنچی تو آپ مسکرائے او فرمایا۔ ''اگر اس نے وہاں رات رہنا تھا تو مجھ سے پوچھ کر جاتا۔ اچھا! آج وہاں جا کر رات بسر کرے۔''

چنانچہ بابا عبداللہ آپ کے حکم کے مطابق رات کو وہاں پہنچے اور ساری رات وہیں رہے۔ اس رات نہ تو وہاں کوئی ناگ تھا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈر محسوس ہوا بلکہ بقول حافظ عبداللہ انہیں اس رات وہاں سے بڑا فیض ہوا۔ تعلق کے بغیر تو کہیں بھی بات نہیں بنتی۔



روایت ہے کہ جن دنوں کوٹلہ شریف والی مسجد زیر تعمیر تھی حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علی اکثر وہیں قیام فرما رہتے۔ دس پندرہ روز کے بعد واپسی ہوتی کچھ دن قیام کرتے پھر واپس کوٹلہ چلے جاتے۔ اکثر ملنے والے بھی وہاں پہنچ جاتے۔ کئی کئی کاریں اور تانگے وہاں کھڑے رہتے۔ مسجد کے ساتھ ملحقہ حجرہ زیر تعمیر تھا اور چھت کے لئے لکڑیوں میں کمی واقع ہوگئی مستریوں نے مزید

شہتیر مانگے آپ نے فرمایا ''ادھر کہیں سے لکڑی دستیاب ہوگی؟ لیکن جواب دیا گیا اس علاقہ میں مطلوبہ لکڑی نہیں ہے۔''

مستریوں میں سے کسی ایک نے کہا۔''جنگل میں ایک مزار کے پاس کار آمد لکڑی کے درخت موجود ہیں۔ لیکن مقامی باشندوں کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی وہاں سے لکڑی کاٹتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی نقصان ہوجاتا ہے۔ کسی کا بازو ٹوٹتا ہے یا کسی کی ٹانگ یہ سن کر سب کے ساتھ آپ بھی خاموش ہوگئے۔

اگلے روز علی الصبح ہی آپ نے فرمایا ''چلو وہاں سے لکڑی کاٹ لائیں۔ چنانچہ حسب الحکم جب مستری اور ترکھان وغیرہ روانہ ہوئے تو انکے ہمراہ ایک ہجوم تھا جو یہ دیکھنے کے لئے ساتھ ہوگیا تھا کہ دیکھیں وہاں کیا بنتا ہے؟

جب وہاں پہنچے تو آپ مزار کے پاس آٹھ دس منٹ خاموش کھڑے رہے اور بعدہ فرمایا کہ لکڑی کاٹ لو۔ مگر لوگ ڈرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صاحب مزار سے پوچھ لیا ہے۔ تمہیں جتنی لکڑی درکار ہے کاٹ لو اور اس سے بالے شہتیر بنا لو اور جو کباڑہ بچے یہیں چھوڑ دینا۔ چنانچہ مطلوبہ لکڑی کاٹ لی گئی اس کے بالے وغیرہ بنا لئے گئے اور آج تک وہی بالے اس حجرہ کی چھت پر پڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے لکڑی کاٹنے پر کسی کو بھی نقصان نہیں ہوا۔

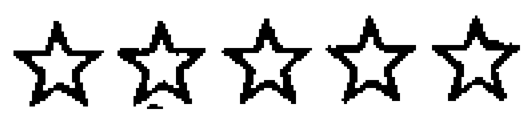
☆☆☆☆☆

حدیث دلبراں میں درج ہے جاڑے کا موسم تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ جو کہ اکثر اشاروں کنایوں سے باتیں کیا کرتے تھے نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا۔ اماں جی! کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں بیٹا! ہے، یہ سن کر آپ نے کہا۔''تو پھر کچھ کر دیجئے نا۔'' یہ کہتے ہوئے آپ نے ایک چارپائی بچھائی اور اس پر ایک لحاف آدھا نیچے اور آدھا اوپر بچھایا۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور ایک نحیف و لاغر کتیا کو اپنے

ہاتھوں پر اٹھا کر اس کو چارپائی پر بچھے ہوئے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے بعد آپ باہر سے اس کے پلّے بھی اٹھا لائے اور انہیں بستر میں کتیا کے ساتھ لٹا کر سب کو لحاف سے ڈھانپ دیا۔ اتنے میں اماں جی نے حلوہ تیار کر لیا تھا آپ نے اسے ٹھنڈا کیا اور کتیا کے منہ میں نوالے دینے شروع کر دیئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ حلوہ کھلا بھی رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرما بھی رہے تھے۔

''تو نے رات کو بچے جنے ہیں۔ بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ تو میری ہمسائی ہے تیری خبر گیری میرا فرض ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی کہ تیرا پتا نہ کیا۔ مجھے معاف کر دو۔''

حضرت صاحب قبلہ بار بار اس بات کا تکرار کرتے گئے اور آدھا حلوہ کھلا دیا۔ لحاف کی گرمی اور حلوہ کی وجہ سے اس کے کمزور جسم میں طاقت عود کر آئی اور وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر کوچہ میں چلی گئی۔



حدیث دلبراں میں درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے حلقہ مریدین میں بیٹھے ہوئے توجہ فرما رہے تھے کہ ایک بلی آ گئی وہ آپ کے جسم سے ٹکراتی ہوئی کبھی ادھر سے ادھر جاتی اور کبھی ادھر سے ادھر آتی۔ ایسا کرتے کرتے وہ حلقہ میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا سامنے آ کر بیٹھنا ہی تھا کہ اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ تڑپنے لگی اور ذکر جاری ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انسان ذکر کر رہا ہے کوئی ایک گھنٹہ تڑپنے کے بعد وہ بلی جان بحق ہوگئی۔

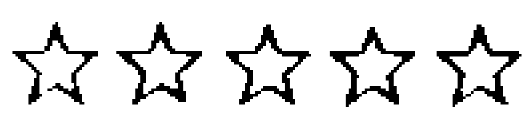
آپ نے تبسم فرمایا اور کہا بازار سے کپڑا لا کر اسے کفن دے دو اور باہر قبرستان میں اسے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اسے کفن دے کر دفن کر دیا گیا۔



حاجی فضل احمد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ گھر سے تشریف لا رہے تھے کہ گلی میں ایک کتیا آپ کے پاس سے گزری۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ''اری! تو نے بچے جنے ہیں، مجھے دکھائے ہی نہیں۔'' یہ کہنا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے بچے کو منہ میں دبائے اٹھا لائی اور اسے حضرت صاحب قبلہ کے آگے رکھ دیا۔ وہ پھر واپس چلی گئی اور دوسرا اٹھا لائی۔ اسی طرح اس نے سات بچے لا کر حضور کے آگے رکھ دیئے اور آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''اچھا! اب واپس لے جاؤ، دیکھ لئے ہیں۔''

والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک ہلکا کتا آتا دکھائی دیا۔ لوگ اس کے پیچھے ''دیوانہ ہے دیوانہ ہے'' کہتے لاٹھیاں اٹھائے شور مچاتے بھاگے آرہے تھے۔ وہ کتا جب آپ کے پاس سے گزرنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو لوگ تمہیں کھلایا کرتے ہیں ان کو تو نہیں کاٹنا چاہئے۔''

وہ کتا آپ کے سامنے کھڑا ہو کر دم ہلانے لگا۔ اس کی دیوانگی دور ہوگئی اور وہ اچھا بھلا ہوگیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ کتا آپ کے پاس سے گزرتا تو آپ فرماتے کہ کتے تو مان جاتے ہیں مگر انسان اپنے رب کا حکم نہیں مانتا۔



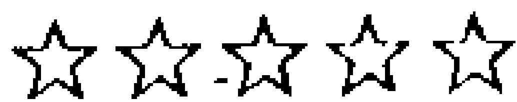
روایت ہے کہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے چچا میاں حمید صاحب مرحوم کے پاس مسجد میں طلباء کی خاصی تعداد تھی جو قرآن پاک کی تعلیم کے حصول میں منہمک رہتی۔ ان طلباء میں کچھ ایسے طالب علم بھی تھے جو مضافات سے آکر یہیں مسجد میں حصول تعلیم کے لئے مقیم ہو گئے تھے۔

ایک دن ایک لڑکا جوان مقیم طلبہ میں سے تھا، کسی گھر سے روٹیاں لئے آرہا تھا کہ راستہ میں سرکار میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور دلی جذبات و احساسات کا

رنگ روئے انور پر نمایاں ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ ''کیا ہی اچھا ہوتا تم کہیں شہر میں اجرت پر کچھ کام بھی کرتے اور تعلیم بھی حاصل کرتے۔'' آپ کے پُردرد الفاظ تیر بن کر اس کے دل میں پیوست ہوگئے۔ اس وقت تو وہ خاموش رہا لیکن مسجد میں روٹیاں پہنچانے کے بعد شرقپور شریف سے رخصت ہوگیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ لاہور میں سنہری مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ وہی لڑکا ملا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا ''کیوں بھئی! یہ بات (کسب معاش) کے ساتھ حصول تعلیم ٹھیک ہے یا وہ بات (یعنی روٹیاں مانگ کر لانا اور تعلیم حاصل کرنا) ٹھیک تھی۔ کہنے لگا۔ ''حضور! یہ بات درست اور افضل ہے۔ آپ نے مجھے پستیوں سے اٹھا کر بلندیوں سے ہمکنار کر دیا۔ ایسا خود دار ذریعہ تعلیم روح کی بالیدگی کا باعث ہوتا ہے۔''

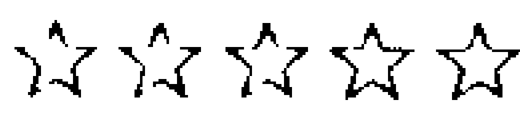
اس نے اپنے تہبند کی گرہ کھول کر ایک روپیہ آپ کی نذر کیا۔ آپ نے فرمایا! ''میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔ تمہارے کسی کام آجاوے گا۔'' لیکن اس نے بڑی منت سماجت سے آپ کو روپیہ لینے پر مجبور کر دیا۔ بعد میں آپؒ نے فرمایا ''یہ ایک روپیہ اس کی خالص حلال کی کمائی میں سے تھا۔''



روایت ہے کہ سخت سردی کے دن تھے آپ گھر میں رضائی اوڑھے پڑے تھے۔ آپ نے والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ ''اماں جان! ''سردی سخت محسوس ہو رہی ہے'' آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ پر ایک اور لحاف ڈال دیا آپ نے دوبارہ پھر فرمایا۔ ''ابھی سردی اور لگ رہی ہے۔'' اماں صاحبہ نے کوئلوں کی انگیٹھی جلا کر آپ کی چارپائی کے نیچے رکھ دی۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا۔ ''مجھے ابھی سردی لگ رہی ہے۔''

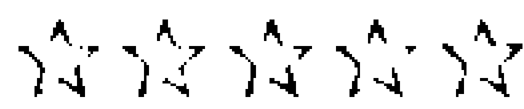
والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ پھر اب میں کیا کروں میری جان۔'' اس پر آپ نے فرمایا۔'' باہر مہمان خانے سے پتا کیا جائے کہ کوئی مہمان تو نہیں آیا؟

باہر سے پتا منگوایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک مہمان آیا ہوا ہے۔" آپ نے پوچھا۔ اس کو کھانا کھلا کر اندر سلا دیا گیا ہے۔" جواب ملا کہ کھانا کھلا کر اندر بستر دے دیا گیا ہے۔" آپ نے ارشاد فرمایا "وہ مہمان گھوڑے پر آیا ہے اس کا گھوڑا باہر سردی میں کھڑا ہے اور اسے سردی لگ رہی ہے۔ اس کے گھوڑے کو جب تک اندر گرم جگہ پر نہ باندھا جائے گا میری سردی نہیں اترے گی۔" سو ایسے ہی ہوا جب گھوڑے کو اندر باندھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ "میرے لحاف اتار دو اب میری سردی اتر گئی ہے۔"



روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک مولوی صاحب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ عالموں کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ باہر سے کوئی مولانا، حافظ یا قاری آجاتے تو آپ ان کو جماعت کروانے کے لئے کہتے۔ اس وقت عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ نے مولانا مذکور کو جماعت کی امامت کے لئے آگے کھڑا کر دیا۔ جب نماز باجماعت ادا کر لی گئی تو حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ مولانا صاحب کو ایک طرف لے گئے اور علیحدگی میں فرمایا۔

مولانا! بھینس تو گھر جا کر بھی دوہی جا سکتی تھی کیا التحیات میں ہی بھینس کا دوہنا ضروری تھا؟ مولانا نے شرم سے سر جھکا لیا اور کہا۔ "خدا کی قسم! میں التحیات میں بیٹھا اپنے خیالوں میں بھینس دوہ رہا تھا۔"



روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور سرکار سے عرض کی۔ "سرکار! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اسباب پیدا کر دیں اور میں اپنی لڑکی کی شادی کر دوں۔" سرکار فرمانے لگے۔ "اللہ تعالیٰ فضل کریں گے۔ غریب آدمی ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی سے غریبانہ کام کر لینا اور

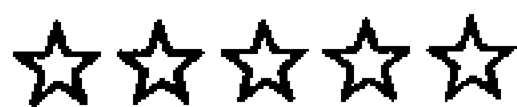
قرض نہ لینا کیونکہ کہتے ہیں کہ قرض اٹھانے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

یہ سن کر وہ آدمی چلا گیا اور جب اس نے لڑکی کے عقد کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی کہنے لگی "ہمارے پاس اثاثہ تھوڑا ہے کہیں سے قرض لے لو۔" وہ کہنے لگا۔ "حضرت صاحب قبلہ شرقپوری کا ارشاد ہے کہ قرض نہ لینا لہٰذا قرض نہیں لوں گا۔" ہماری برادری میں "ناک" نہیں رہتی، کچھ تو کرنا چاہئے اور پھر میاں صاحبؒ کون سے پاس کھڑے دیکھ رہے ہیں۔" اس کی بیوی نے کہا وہ کہنے لگا۔ "کچھ بھی ہو قرض نہیں لوں گا۔" لیکن بیوی کے بار بار تکرار اور تنگ کرنے پر اس نے کسی سے قرض لے لیا اور لڑکی کی شادی اپنی برادری کے رسم و رواج کے مطابق کر دی۔

کچھ عرصہ بعد وہی شخص رات کو گھر میں چارپائی پر پڑا تھا کہ دفعتاً کڑاک کی آواز آئی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی دربدر پھرا، بہت سے معالجوں اور حکیموں سے علاج کرایا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد ایک دن بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کا کہا پورا ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ قرض اٹھانے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے چنانچہ وہی ہوا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی دوسری صبح وہ شرقپور شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "حضور! میری کمر ٹوٹ گئی ہے دعا کیجئے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہاری کمر ٹوٹ جائے میں نے تو ویسے ہی یہ کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرض لینے سے کمر ٹوٹ جاتی ہے اچھا! قرض ادا کر دو اللہ تعالیٰ فضل کر دیں گے۔"

کہتے ہیں اس نے جیسے بھی بن سکا اپنا قرض ادا کر دیا اور ایک دن ویسے ہی پڑے پڑے کڑاک کی آواز آئی اور اس کی کمر درست ہو گئی۔

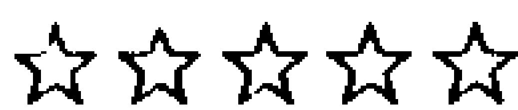


حاجی فضل الٰہی مونگہ فرماتے ہیں کہ جن دنوں وہ قصور ہوا کرتے تھے۔ سردیوں کے دن تھے ایک دن طبیعت چاہی کہ عبدالرسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کو جائیں۔ جب گئے تو سکون آیا اسی حالت پر سکون میں غنودگی نے آلیا اچانک محسوس ہوا کہ کوئی جگا رہا ہے آنکھیں جو کھلیں تو دیکھا ایک پرنور چہرہ ہے بڑی خوبصورت سفید ریش ہے کہیں کہیں سیاہ بال کی جھلک بھی نظر پڑی۔ انہوں نے زور سے بھینچا۔ اس عمل سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بدن میں آگ لگ گئی۔ جب علیحدہ ہوا، تو کچھ ہوش نہ رہا اسی نیم بے ہوشی کے عالم میں کھڑا ہوا جوتی کپڑوں کا ہوش کس کو ہوتا۔ قصور میں تحصیل کے دفاتر سے ملحقہ ایک تالاب تھا اس میں چھلانگ لگا دی۔ وہاں تالاب پر ایک آدمی (سید محمد شاہ) مچھلی کے لئے کانٹا لگائے بیٹھے تھے۔ اس نے مجھے تالاب سے نکالا رات تو اسی کیفیت میں گزری۔ صبح جب اوسان بحال ہوئے تو پھر عبدالرسولؒ کے مزار پر گیا دیکھا پگڑی وغیرہ پڑی تھی اسے اٹھا لیا۔

کچھ دنوں بعد دل چاہا کہ حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضری دوں سو قصد شرقپور کا کیا پہنچنے پر حضرت صاحب قبلہ کو ملنے آیا دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے باہر گلی میں کھڑے ہیں۔ مجھ پر نظر پڑی تو خوب ہنسے اور فرمایا۔

''عشقے ای اوے'' تم تو گھبرا ہی گئے تھے۔ ارے وہ تو عبداللہ الرسول صاحبؒ ہی تھے۔''

میں نے یہ سن کر دل میں کہا۔ ولی راولی می شناسد، ولی کو تو ولی ہی پہچان سکتا ہے۔ میری کیا مجال۔



روایت ہے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور بعد علیک سلیک چپ کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد بغیر کوئی بات کیئے واپس لوٹنے لگا تو آپ نے پوچھا۔'' کیا

بات تھی کیسے آئے تھے اور جا بھی رہے۔" کہنے لگا۔ "درد ہو رہا تھا اور اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا۔" آپ نے فرمایا۔ پھر؟" کہنے گا۔ "عرض کئے بغیر ہی درد جاتا رہا ہے اور واپس جا رہا ہوں۔" آپ فرمانے لگے "تمہارا درد تو ختم ہو گیا ہے اور تمہاری بجائے مجھے جو ہونے لگا ہے۔"



روایت ہے کہ قصور شہر میں ایک حکیم نور حسن صاحب ہوا کرتے تھے وہ حضرت صاحب قبلہ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ وہ جب کبھی حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے۔

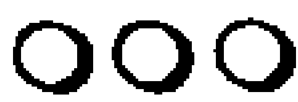
"حضور! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جس سے مجھے آئندہ کے حالات کا پتہ چل جایا کرے۔" آپ ہمیشہ ہی اغماض برتا کرتے اور ٹال جاتے لیکن ان کے بار بار عرض کرنے سے آپ تنگ آ گئے۔

ایک دن آپ نے "کچھ" فرما دیا۔ دوسرے تیسرے دن ہی حکیم صاحب دوڑے دوڑے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور گزارش کی۔ سرکار! جو چیز آپ نے عطا فرمائی ہے وہ واپس لے لیں۔"

آپ نے تبسم فرمایا اور پوچھا۔ "کیوں! کیا ہوا ہے"

حکیم نور حسن نے عرض کی۔ حضور! میں نے دیکھا ہے کہ میں چھ ماہ بعد بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور وہ بیماری بڑی شدت کی ہو گی اور چھ ماہ ہی بیمار رہوں گا قریب المرگ ہو جانے کے بعد مجھے صحت ہو گی۔ حضور! میں تو بیماری کی آمد سے چھ ماہ پیشتر ہی فکر سے اپنے آپ کو بیمار کرنے لگا ہوں۔"

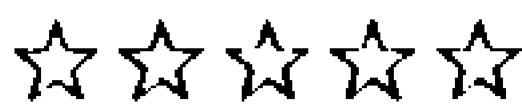
آپ مسکراتے رہے اور اس کی بات ختم ہونے کے بعد فرمایا۔ "رہنے دو اب اپنے پاس۔ اور کہنے لگے کہ جن کو اللہ تعالیٰ یہ علم عطا فرماتا ہے ان کو ہی زیبا ہے۔



عادات و خصائل

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تر زندگی شریعت کی اتباع اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں ہی صرف ہوئی۔ آپ کا ہر فعل مثلاً نشست و برخاست، قیام و طعام تمام تر عین شریعت کے مطابق ہی تھا۔ آپ کی حیات مبارکہ ہمیں سنت نبوی ﷺ کی پیروی کا عمدہ ترین نمونہ دکھائی دیتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ آپ کا والہانہ لگاؤ اس درجہ تھا کہ آپ بھی اپنے آقا و مولا کی طرح غربا و مساکین اور لاچاروں کی ہر ممکن مدد کرتے، مظلوموں اور بے کسوں کا سہارا بنتے۔ یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری اور خبر گیری فرماتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اسوہ حسنہ کے مطابق مہمانوں کی ہر ممکن طریقے سے خاطر تواضع فرماتے۔ یہاں تک کہ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ اس سے ضرور ملاقات فرماتے اور حال احوال دریافت فرماتے۔ اس کا مسئلہ سماعت فرماتے اور اس کی تسلی فرماتے۔



روایت ہے کہ آپ اپنا ہر کام خود ہی سرانجام دیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ اپنا جوتا بھی خود ہی مرمت کر لیا کرتے۔ اسی طرح آپ کو اگر معلوم ہو جاتا کہ آپ کا کوئی عزیز یا عقیدت مند بیمار ہے تو آپ بذات خود اس کی تیمار داری کرنے کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور اگر وہ علاج معالجہ کے لئے مالی معاونت کا مستحق ہوتا تو آپ اس کی چپکے سے امداد بھی کر دیا کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرتِ میاں صاحبؒ کی عادت شریفہ عجز و انکساری کی مجسم تصویر تھی۔ اکثر اوقات آپ کسر نفسی کا مظاہرہ فرماتے اور خود کو کمتر کہہ کر گویا ہوتے۔ سب کو معلوم تھا کہ آپ ذاتی تشہیر تعریف اور تعظیم کو قطعاً پسند نہیں فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ نصیحت فرمانے کے بعد فرمایا کرتے کہ ''پتا تو تب چلے گا جب آگے (یعنی دوسرے جہاں) چلیں گے۔''

☆☆☆☆☆

ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ''مکان شریف'' میں کئی روز قیام کے بعد شرقپور شریف لائے۔ اسی روز آپ کی ملاقات اپنے علاقے کے مشہور حکیم محمد اسماعیل صاحب کے ماموں عزیز دین صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے وعلیکم السلام فرمایا اور مصافحہ بھی کیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت میاں صاحب سے عرض کیا۔ ''سرکار کب آئے ہیں'' چونکہ حضرت میاں صاحب اپنی ذات کے لئے اعلیٰ ترین القابات پسند نہیں فرمایا کرتے تھے اس لئے قدرے غصے میں فرمایا۔

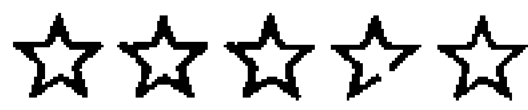
''آیا ہوا تو پچاس پچپن برس کا ہوں لیکن ابھی تک بن کچھ نہیں سکا''

اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔

''آپ کی طبیعت کا کیا حال ہے؟''

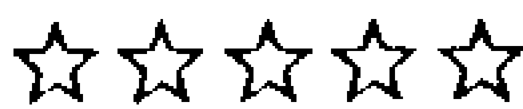
جس کے جواب میں حضرت میاں صاحب نے جواب ارشاد فرمایا۔

''ارے بھائی! مرنے کے بعد پوچھنا۔ حال کا پتہ تو اس وقت چلے گا جب دائیں ملایا بائیں''



آپ کے لاتعداد عقیدت مند آپ کی خدمت عالیہ میں نذرانے روانہ کیا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک صرف یہ بات ہوتی تھی کہ آپ کی خدمت میں چونکہ ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے اس لئے لنگر میں نذر و نیاز کیلئے کچھ نہ کچھ یعنی نقدی اور اجناس کی صورت میں روانہ کرنا چاہیے۔ مگر آپ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ مگر عقیدت مندوں کی دل شکنی کی وجہ سے موصول کرنے کا حکم فرما رکھا تھا۔ ایک روز اسی مسئلہ پر ارشاد فرمایا۔'' ریاضت و عبادت اور احوال کا کیا پوچھنا۔ حالات تو ایسے ہو گئے ہیں کہ حرام و حلال میں تمیز کرنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ اکل حلال کی جب بات ہی نہ رہے تو عبادات کا کیا بنے۔''

اس کے بعد اپنی ریش مبارک کو تھام کر ارشاد فرمایا کہ'' ہمارا بھی کیا حال ہے ان سب حلال وحرام میں پرہیز نہ کرنے والوں کی نذریں اشیا اور کھانا ہمارے پاس آتا ہے تو ہم پھر کیا ہوے۔''



آپ کو ہمیشہ حقوق العباد کا خاص خیال رہتا۔ آپ اپنے عزیز و اقارب کی خبر گیری کی خاطر ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کو خوشیوں سے مالا مال کر دیتے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کبھی کبھار ان کو تحفے تحائف بھی روانہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو تکلیف ہوتی تو صرف اسی وجہ سے کہ جب آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ آپ کے عزو اقارب میں کوئی جھگڑا چل پڑا ہے اکثر یوں بھی ہوا کہ آپ نے اپنی گرہ سے روپیہ دے کر لین دین کے جھگڑوں کی صلح کروا دی۔



روایت ہے کہ آپ سنت نبوی ﷺ کی پیروی پر بہت زیادہ دھیان دیا کرتے تھے۔ آپ نے خدام کو پابند کر رکھا تھا کہ ہر اس شخص کو جو ملاقات کے لئے آئے اس کو یہ ضرور بتلا دیا جائے کہ وہ آپ کے حجرہ پاک میں جب داخل ہو تو اپنا دایاں پاؤں اندر پہلے داخل کرلے جب بیٹھے تو دوزانو ہو کر بیٹھے اور آپ کی آمد پر تعظیم کے طور پر کھڑا نہ ہو۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ مسجد میں یا کسی کمرے یا مکان میں جب داخل ہوتے تو اپنا دایاں پاؤں پہلے اندر داخل اور جب بیٹھے تو دوزانو ہو کر بیٹھتے۔ اس کے علاوہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب کسی کے قریب بیٹھتے تو اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھتے تاکہ اسے اپنائیت کا احساس ہو۔ دوسرے یہ کہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ کسی بندے کے لئے تعظیماً کھڑا ہوا جائے۔ ایک روایت ہے کہ آپ اکثر اوقات یہ کرتے کہ جب کسی بہت بڑے عہدے دار یا زمیندار کی آمد کا علم ہوتا تو آپ کچھ دیر کے لئے حجرہ پاک سے اٹھ کر باہر چلے جاتے اور اس کی آمد کے بعد تشریف لاتے۔

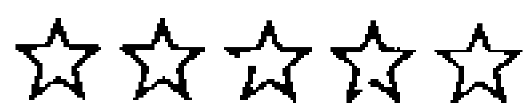
اس سلسلے میں ایک روایت ''انقلاب حقیقت'' میں جناب محمد عمر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ اللہ نے سب سے بیشتر یہ فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام وحیہ کلبی کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کس طرح بیٹھتے تھے اور آنحضرت ﷺ کو رب العزت کی یاد میں کس طرح بیٹھنے کا طریقہ سکھایا گیا۔'' گویا یہ تعلیم تھی آداب کی جو میں سمجھ گیا۔''



حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ اللہ اس بات پر بہت ملول خاطر رہا کرتے تھے کہ عوام و خواص سبھی فرنگی تہذیب میں رنگتے جا رہے ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ''جس طرح کلمہ شریف کو نبی کریم ﷺ نے اپنا اور اپنے صحابہ

کا خون بہا کر لیا تھا آج مسلمان اس کو مفت دے رہے ہیں۔ جس داڑھی کے لئے سرور کائنات نے تمام مصائب اٹھائے تھے اس کی مسلمان آج ذرہ بھر بھی قدر نہیں کرتے۔ نام کو مسلمان اندر سے کافر۔ فرنگیت کے غلبے نے اسلام کو تباہ کر دیا۔ اسلام کا نام ہی نام ہے۔"

آپ کے یہ اور اس قسم کے دیگر ارشادات گرامی سماعت کر کے حاضرین پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی اور بعض رقیق لوگ تو بے ساختہ چیخ و پکار کے ساتھ اور ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے بھی دیکھے گئے۔



مجلس میں آداب کے بارے میں آپ کا فرمان تھا کہ آنے والے کو لازم ہے کہ اپنا داہنا قدم پہلے اندر رکھے، دوزانو ہو کر بیٹھے اور اپنے سینے پر نظر جمائے رکھے۔ لباس میں کرتے پر عام خیال ہوتا تھا کہ قمیض نہ ہو۔ جوتے پر بھی توجہ تھی کہ سیاہ نہ ہو۔ آپ اکثر فرماتے تھے کہ "نبی کریم ﷺ کا جوتا زرد رنگ کا ہوتا تھا۔ ٹوپی کو یا صرف پگڑی کو آپ بہت نامناسب خیال فرماتے تھے۔ آپ اکثر ارشاد فرماتے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ صرف ٹوپی نصرانی پہنتے ہیں اور صرف پگڑی یہودی، مسلمان آدمی دونوں رکھتا ہے"

اس سلسلہ میں انقلاب حقیقت میں درج ہے کہ "کئی بار ایسا دیکھا کہ کسی کی پگڑی میں سے چوٹی ننگی دیکھ پاتے تو آپ تنبیہ فرماتے اور ٹوپی منگوا کر اپنے دست مبارک سے پہنا دیتے ایک دفعہ ایک بوڑھے ساربان کو آپ نے ٹوپی اپنے دست مبارک سے پہنائی۔ اس کو ٹوپی پہنانے کے بعد آپ فرمانے لگے کہ "میں تو پیروی سنت کے لئے ٹوپی پہناتا ہوں لیکن بعض لوگ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے۔ بھلا مجھے خلافت سے کیا واسطہ ہے۔"

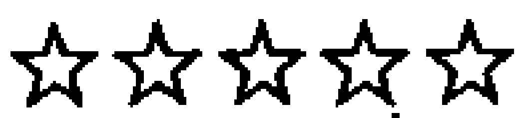
اس طرح آپ جوتوں کے بارے میں بہت خیال فرماتے تھے اور اگر کوئی بندہ پہلی مرتبہ آپ کے پاس حاضر ہوتا اور اس نے سیاہ رنگ کے جوتے پہنے

ہوتے تو آپ اس کو فوراً سرزنش کر دیا کرتے اور بعض مرتبہ تو اپنا جوتا اس کو عطا بھی فرما دیا کرتے۔

اس طرز عمل کی گہرائی کو آپ نے ایک مرتبہ یوں واضح فرمایا کہ "شریعت تو رسول سکھا دیتے ہیں اگر پیر نے ادب بھی نہ سکھایا تو پھر کیا گیا۔



حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ اللہ داڑھی نہ رکھنے والوں کو کبھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک جمعتہ المبارک کو آپ جب بالا خانے سے نیچے تشریف لائے تو زائرین اور عقیدت مندوں کا ہجوم مکان میں موجود تھا۔ آپ حسب عادت داہنی طرف سے ملاقات فرماتے۔ مگر ساتھ ساتھ بائیں جانب کے لوگوں کو بھی ملنا شروع کر دیا۔ اچانک آپ ایک شخص کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور اس کی صاف داڑھی یعنی کلین شیو پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس کو ایک طمانچہ مار کر کہا کہ کیا تم مسلمان ہو اور اگر مسلمان ہو تو پھر داڑھی کہاں ہے۔

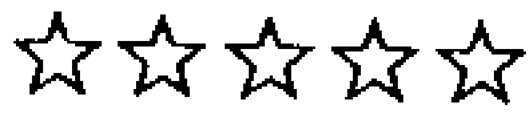


حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ اللہ نماز باجماعت کی بہت سختی سے پابندی کرتے اور کرواتے بھی تھے خادموں یا زارین میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ شرق پور شریف آپ کی خدمت میں ہو اور باجماعت نماز سے غیر حاضر ہو۔

اس سلسلہ میں ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک دن امام دین خادم نماز عصر کے وقت نلکا سے پانی بھرتا رہا اور اس کو وقت معلوم نہ ہو سکا اور اذان کی آواز اس لئے نہ سن سکا کیونکہ وہ بہرہ تھا جب آپ نیچے تشریف لائے تو آپ نے سوائے امام دین کے کسی اور کو نہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کیوں نماز کے لئے نہیں گئے۔ وہ صرف آپ کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے جواب نہ دینے اور خاموش کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ نے سخت غصے کا اظہار کیا۔

اسی اثناء میں آپ کے خادم خاص میاں دین محمد صاحب بھی ادھر آ نکلے

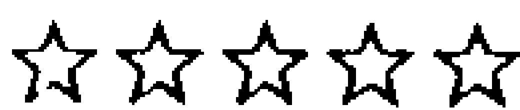
آپ نے فرمایا یہ کیوں یہاں کھڑا ہے اور میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا، انہوں نے بتلایا کہ ''حضور یہ تو بہرا ہے'' آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ نماز کا وقت ہے اور اس وقت اس کو مسجد میں ہونا چاہئے چنانچہ میاں دین محمد صاحب کو اشاروں سے سمجھا کر مسجد میں لے گئے۔



نماز با جماعت میں آداب جماعت کا ہمیشہ آپ کو خیال رہتا۔ کیونکہ نماز اور جماعت اسلام کے اولین اصول ہیں طریقت میں بھی ان کو اولیت حاصل ہے۔ جلیل القدر اولیاء اللہ ہمیشہ سجدہ و سجود کے ذریعہ ہی بلند اور مشکل منازل کو طے کر کے بلند مقامات تک پہنچے۔ اس لئے آپ صفیں نہایت تاکید سے سیدھی کرواتے اور مقتدیوں کے قدموں کو بغور دیکھا کرتے اگر کسی کے پیروں کے درمیان کم یا زیادہ فاصلہ دیکھتے تو آپ اس کو فرماتے اور درست فاصلہ تک پیروں کو رکھواتے۔

اسی طرح آپ دوران خطبہ دوزانو بیٹھنے اور سینے کی طرف دیکھنے کی افادیت پر اکثر ارشاد فرماتے۔ اسی وجہ سے آپ کے سامنے لوگ مسجد میں دوران خطبہ بہت با ادب ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ مگر یہ آپ کی تقلید نہ تھی بلکہ سنت نبوی ﷺ کی تقلید ہوا کرتی تھی۔

جماعت کے علاوہ آپ مسجد کے آداب بھی لوگوں کو سکھایا کرتے تھے۔ آپ اکثر فرماتے کہ مسجد میں دایاں پاؤں پہلے داخل کرنا چاہئے۔ مسجد میں برہنہ سر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ دوزانو بیٹھنا چاہئے۔ آپس میں اونچی آواز میں گفتگو نہیں کرنا چاہئے اور صفوں کے تنکوں کو بلا وجہ توڑنا بھی نہیں چاہئے۔ آپ فرماتے تھے کہ مسجد میں صفوں کے تنکوں کو توڑنا خلاف ادب ہے۔



کھانے پینے کے آداب میں بھی آپ ہمیشہ سنت نبوی ﷺ کی پیروی

فرماتے اور دوسروں کو بھی تاکید فرماتے۔ مگر اصل بات تو یہ ہے کہ آپ خود عمل کرکے دکھلاتے یعنی اگر میں یہ کہوں کہ آپ سنت نبوی ﷺ کی پیروی کا عمل نمونہ اپنے عقیدت مندوں کو دکھاتے تھے تو یہ بالکل درست ہوگا۔ آپ اکثر تاکید فرماتے کہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے لازمی ہیں۔ میں نے جب بھی اکثر لکھا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے پاس اکثر و بیشتر وہ حضرات حاضر ہوتے تھے جن کی یہ پہلی حاضری ہوتی تھی۔ اسی لئے میں نے اکثر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

آپ فرماتے کہ کھانے کے دوران ایک زانو یعنی گھٹنا اٹھانا چاہیے۔ اور دوسرے زانو پر بیٹھنا چاہیے۔ یہ بھی ارشاد فرماتے کے اگر کسی کی رکابی یعنی برتن میں سالن وغیرہ بچ رہے تو اسی کو پی لیا جائے یا اچھی طرح برتن کو انگلیوں سے صاف کر لیا جائے۔ کھانے کے بعد آپ فرماتے کہ انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیئے۔ آپ خود یہ سب کچھ عملی طریقے سے بھی بتلاتے۔ یہ وہ عملی تربیت ہے کہ جس سے لوگوں کو سیدھی راہ نصیب ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جیسی کسی طبیعت دیکھتے ویسا ہی ارشاد فرماتے۔ آپ نا بالغ بچوں اور نو عمر لڑکوں کو تو بالکل بھی ذکر کی تلقین نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ ضعیف لوگوں کو بھی ذکر کی تلقین نہیں فرماتے تھے۔ اگر آپ مناسب خیال فرماتے تو جوانوں اور ادھیڑ عمر لوگوں کو ان کے اصرار پر ذکر کی تلقین فرما دیا کرتے تھے۔

اگر کوئی شخص پہلی مرتبہ حاضر ہوا ہوتا تو آپ کو اس کو صرف یہ فرما دیتے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسمہ اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ کبھی کبھی کسی کو فرماتے کہ سوتے وقت گیارہ مرتبہ یا کچھ زیادہ مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔ کبھی کسی کو اللہ پاک کا کوئی صفاتی نام بتلا دیتے تا کہ نووارد پر ذکر کا بوجھ

نہ پڑے۔

ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس عبدالعزیز نامی بندہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو یا عزیز عبدالحق آیا تو اس یا حق عبدالکریم آیا تو یا کریم اور اگر عبدالرحیم آیا تو رحیم کا ورد بتایا۔ اسی طرح آپ کسی کو سوتے وقت کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرتے سونے کا ارشاد فرماتے اور کسی کو آپ فرماتے کہ ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ لیا کرے آپ ہر شخص کی استعداد کے مطابق ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

مگر ایسا بھی ہوتا کہ آپ جب یہ دیکھتے یہ بندہ بہت قابل ہے تو آپ پہلی مرتبہ ہی اس کو اسم ذات کی تلقین فرما دیا کرتے اور اس کے ساتھ ہی نفی ذکر بھی تاکید فرماتے۔ آپ تاکید فرماتے کہ اگر تسبیح نہ ہو استعمال کرنی ہے تو اس کو کپڑے میں چھپا کر استعمال کرنا چاہیے۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ عوام الناس کو اس طرح تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ باتوں باتوں میں ہی ان کا دنیا کا نقشہ ہی بدل جایا کرتا تھا انہیں ساری دنیا فنا ہی فنا دکھائی دینے لگتی تھی۔ ان کی طبع پر اللہ مذہبی کی جگہ مذہب اپنا روشن چہرہ دکھلاتا صاف نظر آتا۔ ان کی آنکھیں بد رسوم کو دیکھنے کے قابل ہو جاتیں یعنی رسوم کو وہ برا سمجھنے لگتے حالانکہ اس سے پہلے وہ بھی اسی کا حصہ ہوتے تھے۔ ایک بڑی بات جو آپ کے پاس حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوتی وہ تھا عشق رسالت مآب ﷺ۔

آپ کی محافل سے نا صرف جاہلوں بلکہ علماء فضلاء نے بھی اکتساب فیض کیا اور پھر فخریہ یہ کہتے سنے گئے کہ ہمیں یہ فیض میاں صاحب کی پاک محفل سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کی باتیں نہایت سادہ مگر روحانیت سے بھرپور ہوا کرتی تھیں۔ نہایت سادہ الفاظ میں آپ کو یا علمیت کے دریا بہا دیا کرتے تھے

اس میں خاصیت یہ ہوتی تھی کہ آپ کی باتیں عالم فاضل بھی اور جاہل مطلق بھی سمجھ لیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ''پیسوں کے بتوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے ہیں۔ انگریزوں کے کلوں نے تو ہمیں تباہ کر دیا ہے۔'' آپ چونکہ ایک سچے عاشق رسول تھے اس لئے آپ تصویر کشی کو حرام خیال فرماتے تھے مگر جب کرنسی نوٹ آ گئے تو ان پر فوٹو بھی چھپی ہوئی تھی چنانچہ ان کو آپ بتوں سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ آپ کے اس درد کی جھلک آپ کے ارشادات میں ہوتی تھی اس لئے حاضرین بے اختیار آبدیدہ ہو جاتے تھے۔



آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ اپنا دست مبارک کسی کے چہرے پر ملتے اور کسی کے سینے پر، کسی کی پیشانی پر تو کسی کے کندھوں پر، اچانک آپ کسی کے کان پکڑ لیا کرتے اور کسی کو آہستہ آہستہ طمانچے لگاتے۔ کس کو گلے لگا کر فیوض و برکات سے نوازتے۔ مگر ان لوگوں کے لئے یہ سب کچھ عجیب و غریب ہوتا جو پہلے پہل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مگر ان پر ایک دو مرتبہ حاضری کے بعد یہ عقدہ کھلتا کہ یہ کچھ فیض پہنچانے کے لئے ذرائع ہیں پھر وہ ان لوگوں کو خوش قسمت خیال کرتے تھے جن کو آپ ہاتھ لگاتے یا جن کو گلے لگاتے تھے۔

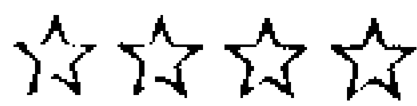


حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ اکثر اپنے عقیدت مندوں کو اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینے اور وہاں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ مگر دوسری طرف ایک بات کو آپ سخت ناپسندیدگی کی نظر سے بھی دیکھتے تھے اور وہ تھی عوام الناس میں قبر پرستی کا رواج۔ کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ اکثر مزارات پر سجادگان یا انتظامیہ عرس کی بجائے سالانہ

میلوں کا اہتمام کرنے لگے تھے۔ جن میں خلاف شریعت و سنت امور دیکھے جاتے تھے۔ آپؒ ان امور سے سخت نالاں تھے اور اس کا برملا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے شرقپور شریف کے قریب ہونے والا سکھانوالہ میلہ بھی اپنی جدوجہد کی وجہ سے بند کروایا تھا کیونکہ یہاں بھی شریعت کے خلاف امور صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خصوصیت کے ساتھ کسی بھی مزار شریف پر عرس کے موقع پر نہیں جاتے تھے۔ اور نہ ہی اپنے مریدین یا عقیدت مندوں کو روانہ فرماتے تھے۔ آپ ان مواقع پر عموماً فرماتے کہ "اصل دین چھوڑ کر کہاں سے مسلمان کہاں جا نکلے ہیں اور کام تھوڑے ہیں کہ مسلمان انہیں چھوڑ کر ان میں جا گرے ہیں۔"

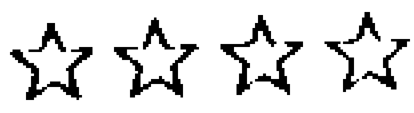
حضرت میاں صاحب الرحمتہ اللہ علیہ کا وجود بابرکات ہزاروں لاکھوں خوبیوں کا عمدہ ترین مرقع تھا مگر یہ بات بالکل سچ ہے کہ اپنی اپنی طبیعت کے موافق ہی ہر کسی نے استفادہ حاصل کیا اور وہی اس کے لئے باعث تقلید ہے آپ کی ہر ہر عادت شریفہ ایک بلند ترین درجہ رکھتی تھی۔



حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا سلوک صرف انسانوں کے ساتھ ہی نہ تھا بلکہ آپ کی عادت شریفہ میں جانوروں کے ساتھ بھی سلوک شامل تھا۔ ایک مرتبہ آپ جمعتہ المبارک کے موقع پر خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایک دم آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے جو سر اٹھا کر دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک چڑیا آپ کے کندھے پر بیٹھی ہے اور آپ ہمہ تن گوش اس کی طرف متوجہ ہیں۔

کچھ دیر بعد آپ نے دوبارہ وعظ شروع کر دیا۔ مگر چند عقیدت مندوں نے عرض کیا کہ یا حضرت یہ کیا ماجرہ تھا کچھ ہمیں بھی تو بتلائیں۔ آخر ان کے

مجبور کرنے پر آپ نے بتایا کہ" یہ چڑیا میرے پاس آئی تھی کہ قریب کے ایک باغ میں باغ کا مالک کچھ درختوں کو کاٹنا چاہ رہا ہے اور وہ درختوں کو کاٹنے کے لئے بندوں کا بندوبست کر رہا ہے۔ مگر ان درختوں میں سے ایک درخت پر اسی چڑیا کا بھی گھونسلا ہے جس میں اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہیں۔ جبکہ دیگر درختوں پر بھی پرندوں کے گھونسلے موجود ہیں۔ درخت کٹنے کی وجہ سے تمام پرندے بے آسرا ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اس کا بندوبست کر دیا ہے اور اب درختوں کو نہیں کاٹا جائے گا۔"



جاڑے کا موسم تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکثر اشاروں کنایوں سے باتیں کیا کرتے تھے نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا۔ اماں جی! کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا "ہاں بیٹا! ہے، یہ سن کر آپ نے کہا۔" تو پھر کچھ کر دیجئے نا۔" یہ کہتے ہوئے آپ نے ایک چارپائی بچھائی اور اس پر ایک لحاف آدھا نیچے اور آدھا اوپر بچھایا۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور ایک نحیف و لاغر کتیا کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس چارپائی پر بچھے ہوئے بستر میں لٹا دیا۔ اس کے بعد آپ باہر سے اس کے پلے بھی اٹھا لائے اور انہیں بستر میں کتیا کے ساتھ لٹا کر سب کو لحاف سے ڈھانپ دیا۔

اتنے میں اماں جی نے حلوہ تیار کر لیا تھا آپ نے اسے ٹھنڈا کیا اور کتیا کے منہ میں نوالے دینے شروع کر دیئے۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ حلوہ کھلا بھی رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرما بھی رہے تھے۔

"تو نے رات کو بچے جنے ہیں۔ بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ تو میری ہمسائی ہے تیری خبر گیری میرا فرض ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی کہ تیرا پتا نہ کیا۔ مجھے معاف کر دو۔"

حضرت صاحب قبلہ بار بار اس بات کا تکرار کرتے گئے اور آدھا حلوہ کھلا

دیا۔ لحاف کی گرمی اور حلوہ کی وجہ سے اس کے کمزور جسم میں طاقت عود کر آئی
اور وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر کوچہ میں چلی گئی۔

☆☆☆☆

ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ گھر سے تشریف لا رہے تھے کہ گلی میں ایک کتیا آپ کے پاس سے گزری۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ''اری! تو نے بچے جنے ہیں مجھے دکھائی ہی نہیں۔'' یہ کہنا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے بچے کو منہ میں دبائے اٹھا لائی اور اسے حضرت صاحب قبلہ کے آگے رکھ دیا۔ وہ پھر واپس چلی گئی اور دوسرا اٹھا لائی۔ اسی طرح اس نے سات بچے لا کر حضور کے آگے رکھ دیئے اور آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''اچھا اب واپس لے جاؤ، دیکھ لئے ہیں۔''

☆☆☆☆

ایک دن حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک ہلکا کتا آتا دکھائی دیا۔ لوگ اسے کے پیچھے ''دیوانہ ہے دیوانہ ہے'' کہتے لاٹھیاں اٹھائے شور مچاتے بھاگے آ رہے تھے۔ وہ کتا جب آپ کے پاس سے گزرنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو لوگ تمہیں کھلایا کرتے ہیں ان کو نہیں کاٹنا چاہئے۔''

وہ کتا آپ کے سامنے کھڑا ہوا کر دم ہلانے لگا۔ اس کی دیوانگی دور ہوگئی اور وہ اچھا بھلا ہو گیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ کتا آپ کے پاس سے گزرتا تو آپ فرماتے۔ ''کتے سمجھ جاتے ہیں اور روٹی ڈالنے والے کو نہیں کاٹتے۔ لیکن زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ بھائی بھائی کو کاٹنے دوڑتا ہے۔''

☆☆☆☆

سخت سردی کے دن تھے آپ گھر میں رضائی اوڑھے پڑے تھے آپ نے والدہ صاحبہ کو آواز دی۔ ''اماں جان!'' سردی سخت محسوس ہو رہی ہے'' آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ پر ایک اور لحاف ڈال دیا۔ آپ نے دوبارہ پھر فرمایا۔

"ابھی سردی اور لگ رہی ہے۔" اماں صاحبہ نے کوئلوں کی انگیٹھی جلا کر آپ کی چارپائی کے نیچے رکھ دی۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا۔" مجھے سردی لگ رہی ہیں"

والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ پھر میں کیا کروں تو جان اور تیری سردی" اس پر آپ نے فرمایا۔" باہر مہمان خانے سے پتا کیا جائے کہ کوئی مہمان تو نہیں آیا؟ باہر سے پتا منگوایا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک مہمان آیا ہوا ہے۔" آپ نے پوچھا۔ اس کو کھانا کھلا کر اندر سلا دیا گیا ہے۔" جواب ملا کہ کھانا کھلا کر اندر بستر دے دیا گیا ہے۔" آپ نے ارشاد فرمایا" وہ مہمان گھوڑے پر آیا ہے اس کا گھوڑا باہر سردی میں کھڑا ہے اور اسے سردی لگ رہی ہے"۔ اس کے گھوڑے کو جب تک اندر گرم جگہ پر نہ باندھا جائے گا میری سردی نہیں اترے گی۔" سو ایسے ہی ہوا۔ جب گھوڑے کو اندر باندھا گیا تو آپ نے فرمایا۔"میرے لحاف اتار دو اب میری سردی اتر گئی ہے۔



ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ اپنے حلقہ مریدین میں بیٹھے ہوئے توجہ فرما رہے تھے کہ ایک بلی آگئی وہ آپ کے جسم سے ٹکراتی ہوئی کبھی ادھر سے ادھر جاتی اور کبھی ادھر سے ادھر آتی۔ ایسا کرتے کرتے وہ حلقہ میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا سامنے آ کر بیٹھنا ہی تھا کہ اس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ تڑپنے لگی تو ذکر جاری ہوگیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انسان ذکر کر رہا ہے کوئی ایک گھنٹہ تڑپنے کے بعد وہ بلی جان بحق ہوگئی۔

آپ نے تبسم فرمایا اور کہا بازار سے کپڑا لا کر اس کفن دے دو اور باہر قبرستان اسے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اسے کفن دے کر دفن کر دیا گیا۔

انتقالِ پُر ملال

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری علیہ الرحمتہ جیسی ہستیوں پر ضعف اور نقاہت کے اثرات یوں تو جلد ہی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان ہستیوں کو اپنی جسمانی کیفیات کا علم تو ہر صورت ہوتا ہی ہے۔ مگر یہ اپنے معمولات کو ترک ہرگز نہیں کرتے دیکھے گئے۔ اسی طرح حضرت میاں صاحب علیہ الرحمتہ کو بھی جسمانی عوارض سے سابقہ رہا۔ آپ تبخیر معدہ کے دائمی مریض تھے۔ مگر آپ نے اس کو کبھی اپنے لئے مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ ہزاروں سائلین کی امراض کو صرف ایک پھونک مار کر تندرست کرنے والے کے لئے یہ کوئی بات نہ تھی مگر اللہ والوں نے کبھی اپنا کوئی عمل محض اپنے لئے نہیں کیا۔

آپ نے اپنے مرض کا علاج ضرور کروایا کیونکہ یہ حکم نبوی ﷺ ہے۔ آپ کا علاج بڑے بڑے حکماء نے بھی کیا۔ مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک عقیدت مند نے ضد کر کے آپ کو لاہور میں میو ہسپتال کے ایک ماہر ڈاکٹر کو بھی دکھلایا مگر وہ ناکام رہا۔

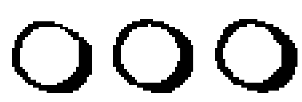
آخری عمر مبارک میں آپ کی جسمانی حالت یہ نہ رہی کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے چنانچہ آپ گھر پر ہی نمازیں ادا فرماتے۔ مگر آپ کو اس بات کا

بڑا قلق تھا کہ آپ نمازیں مسجد میں ادا کیوں نہیں کر سکتے اسی طرح روز شب گزرنے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر غشی کے دورے بھی پڑنے لگے۔ حکیم نیر علی واسطی، ڈاکٹر محمد یوسف اور حکیم سید ظفر باب حسین جیسے قابل ترین معالجین بھی آپ کی گرتی ہوئی صحت کو بحال کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

انہی ایام میں جبکہ آپ کی صحت از حد گر چکی تھی آپ نے ایک مرتبہ اپنے بھائی میاں غلام اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کو طلب فرمایا۔آپ نے انہیں سید انور الحسن شاہ صاحب اور بابا عبد اللہ فیروز پوری کے سامنے وصیت فرمائی۔

''گھبرانا نہیں، مہمانوں کی اچھی طرح خدمت کرنا، جمعۃ المبارک کی نماز خود پڑھانا، باقی نمازیں اور مسجد کا انتظام میاں محمد ابراہیم صاحب اور حاجی عبدالرحمن صاحب کے سپرد کر دینا۔ جمعۃ المبارک کے علاوہ وقتاً فوقتاً مسجد میں جا کر دیگر نمازیں بھی پڑھانا۔''

اس کے بعد آپ نے میاں غلام اللہ صاحب کو عوام الناس کی رشد وہدایت کے لئے تلقین و ارشاد کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ ان امور سے فراغت کے بعد آپ 3 ربیع الاول 1347 ہجری بمطابق 20 اگست 1928ء کو پیر کی رات گیارہ بج کر 25 منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ بروز منگل آپ کو اس جگہ دفن کر دیا جہاں آج آپ کا روضہ اقدس مرجع خلائق ہے۔



ارشاداتِ شیر ربانیؒ

☜ میں تو پیروی سنت کے لئے ٹوپی پہناتا ہوں۔ لیکن لوگ خیال کر بیٹھے ہیں۔ کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے بھلا مجھے خلافت سے کیا واسطہ ہے۔

☜ آپ اکثر فرماتے کہ اصل دین کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں مسلمان جا نکلے ہیں۔

☜ ایک آدمی آیا اور تلقین ذکر کے بعد عرض کی کہ دعا فرماویں کہ دنیا سے الگ ہو بیٹھوں۔ فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ آخر قبر بھی تو دنیا میں ہوگی۔

☜ ایک نے عرض کی کہ کوئی چلہ فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو چلہ کشی کو بھی پسند نہیں کرتے۔

☜ میاں رمضان نے کہا کہ جب میں اپنے بھائی سے جھگڑا کر کے حاضر ہوا تو فوراً جاتے ہی فرمایا کہ کتوں کی طرح پیسہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے لڑ کر آجاتا ہے۔

☜ میرے نزدیک تو وہی اچھا ہے جو معاملات میں اچھا ہے۔

☜ فرماتے حُبّ الدّنیا رأس کل خطیئة فرماتے۔ بتوں والے پیسوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے ہیں۔

☜ جمعہ کے دن منچلے لوگ جامع مسجد میں گرمیوں سے گھبراتے تو آپ فرماتے متقدئین تو اسلام پر اپنا خون بہاتے اور اف نہ کرتے۔ لیکن اب مسلمان پسینہ بہنے سے بھی گھبراتے ہیں اور ایک گھڑی مسجد میں بہ آرام بیٹھ نہیں سکتے۔

☜ اکثر فرماتے۔ ٹٹی جھاڑے سے بھی کم لوگ خدا کی اطاعت کو جانتے ہیں۔ گرمی ہو کہ سردی بھوک ہو کہ پیاس' صحت ہو کہ بیماری' درد ہو یا بے آرامی' سب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ لیکن نماز کے لئے معمولی بہانہ ہاتھ آئے تو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

☜ ایک بار فرمایا کہ پیر کی سنت کے لئے لوگ انگلیوں پر پاخانہ لگائے پھرتے ہیں کہ پیر کی سنت ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی سنت کی پرواہ نہیں۔

☜ فرمایا کہ ہم فقیری فقوری کو نہیں جانتے۔ ہم تو صرف سنت نبی کریم ﷺ کو ہی جانتے ہیں۔

☜ ہمیں تو ایک ہی شجرہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی ضرورت نہیں۔ مسلمان نہیں بنتے اور فقیر بنتے ہیں۔

☜ ایک روز ایک نے عرض کیا کہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ فرمایا ہاتھ بھی ہیں اور پاؤں بھی ہیں۔ آنکھ بھی ہے منہ بھی ہے پھر صفائی کس طرح داخل ہو۔

☜ فرمایا بہر کارے کہ باشی با خدا باش آپ با خدا بودن کو صرف پسند کرتے تھے کسی خاص صورت کسی خاص وضع۔ کسی خاص حیثیت سے تعلق نہ تھا۔

☜ فرمایا ''کہ بابا صاحب ہمارے گھر بہت آیا کرتے۔'' میری والدہ صاحبہ نے میرے والد علیہ الرحمتہ سے فرمایا کہ بابا جی کیوں زیادہ ہمارے گھر آتے ہیں۔ اس پر بابا جی نے فرمایا ''کہ میں صرف اس لڑکے کو دیکھنے آیا کرتا ہوں سبحان اللہ مرید ہو تو ایسا ہو کہ پیر گھر چل کر آئے۔

☜ اکثر اپنے مخلصین کو فرماتے۔ ''تیرا سینہ تیرے پاس ہے پھر کیا ضرورت۔ یعنی جو کچھ فرمانا تھا فرما دیا۔ اب سینہ میں صفائی پیدا کرو۔ قوت روحانی پیدا کرو' تمام سلوک کی جڑ یہی سینہ ہے جو سینہ کو قابو کرے وہ سمجھے کہ اب میں راہ راست پر چل رہا ہوں۔

☜ اپنوں کے لئے تو اجنبیت نہیں۔

☜ ہندو بھی تو فرزند قبول کردہ کے گھر سے پانی نہیں پیتے۔ ہم مسلمان ہو کر بھلا کیونکر یہ بار اٹھائیں۔ (یعنی مریدوں کے گھروں سے کھائیں)

☜ فرمایا کہ تم مسلمانوں نے سود کھانے شروع کئے۔ خدا تعالیٰ تمہیں سخت ذلیل کرے گا۔ تم کتے کی طرح بھونکو گے۔

☜ فرمایا ''کبھی کبھی جو کچھ میں منہ سے کہہ دیتا ہوں خدا تعالیٰ اسے پورا کر دکھاتا ہے۔

☜ میں نے بنک قائم کرنے کے دن ان سے کہا تھا ''کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمہارے لئے وبال ہوگا۔ سو خدا نے ایسا ہی کیا۔''

☜ احباب کے کہنے اور بزرگان سلف رحمتہ اللہ علیہ کے طریق کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔ لیکن دل میں خیال آتا ہے کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے!

☜ فرنگیوں کی طرح ایک ہاتھ دھونا اور دوسرا چھوڑنا کتنا برا ہے۔ اب تو بڑے بڑے لوگ بھی اس طرح کرنے لگ گئے اور سنت پر عمل نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھایا جائے۔''

☜ لوگوں نے ذکر و اذکار فقر کا لازمہ خیال کیا ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ تو مسلمانی کا لازمہ ہے اور تمام مسلمان اس کے مخالف ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهِ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوبِهِمْ

☜ آپ نے اپنے ایک ممتاز خلیفے کو جو آپ کی عمر میں صاحب برکت و یمن

تسلیم ہو چکے تھے۔ ایک خط لکھوایا کہ

''تم پیر ہو چکے لیکن انسان بننے کی کوشش کرو۔ پیری کے گھمنڈ میں انسانیت کے حصول سے غافل نہ ہو بیٹھو۔''

☜ بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے کیا دیا۔ دہکے ہوئے کوئلوں اور انگاروں کا ٹوکرا (بار خلافت) میرے سر پر رکھ دیا اور میں نے پاس ادب کی وجہ سے بلاچون و چرا اٹھا لیا۔

☜ آپ نے فرمایا اوائل عمر میں اکثر لوگ مجھے کتابیں دیتے تھے میں نہیں لیتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر میں لائق ہوا تو کتابیں خود بخود آ جائیں گی اور اگر نالائق ہوا تو میں نے کتابیں کیا کرنی ہیں۔

☜ ان مستوں سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ کمال مہربانی کریں تو اپنے جیسا مست کر دیتے ہیں۔ بصورت دیگر منفی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے باشریعت بزرگوں کے پس حاضر ہونا بہتر اور افضل ہے۔

☜ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کسی کے ہاں جاؤ تو دو باتیں پیش نظر رکھو وہ یہ کہ یا تو دوسرے شخص کو فیض دیا کرو یا اگر وہ تم سے اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے تو اس سے فیض حاصل کرو۔ یہ دونوں باتیں تبلیغ میں شامل ہیں۔

☜ رمضان شریف کی آمد پر حضرت صاحب قبلہ بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ حضور رونے لگتے اور فرماتے۔''آہ! سال بھر سے جس کا انتظار تھا وہ آیا اور جلد ہی چلا جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ رونے لگتے اور بہت مغموم ہوتے۔



مآخذ

انقلابِ حقیقت	از حضرت محمد عمر بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
حدیث دلبراں	از حاجی فضل احمد مونگہ